البم
ڈاکٹر محمد سلیم

نام کتاب : البم
مؤلف : ڈاکٹر محمد سلیم
ناشر : پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ پاکستان
اشاعت اوّل : 1436ھ ق 2015ء
سرورق خطاطی : علی احمد، سپرنٹنڈنٹ پریس
طابع : پنجاب یونیورسٹی پرنٹنگ پریس، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ پاکستان
صفحات : 400
تعداد : 1000
قیمت : 450روپے
آئی ایس بی این : 978-969-9325-25-0

فہرست موضوعات

نام کتاب : البم

مؤلف : ڈاکٹر محمد سلیم

ناشر : پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ پاکستان

اشاعت اوّل : 1436ھق2015ء

سرورق خطاطی : علی احمد، سپرنٹنڈنٹ پریس

طابع : پنجاب یونیورسٹی پرنٹنگ پریس، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ پاکستان

صفحات : 400

تعداد : 1000

قیمت : 450روپے

آئی ایس بی این : 978-969-9325-25-0

فہرست موضوعات

ا

ب

آبلہ، آبلہ پا

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیٔ پرخار میں آوے

غالب

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھ کر

غالب

کیا قیامت ہے کہ جن کے لیے رک رک کر چلے
اب وہی لوگ ہمیں آبلہ پا کہتے ہیں

احمد فراز

تپتی ریت، نکیلے کانٹے، راہیں اوجھل، منزل دور
میرا شوقِ آبلہ پائی، پھر بھی سفر آمادہ ہے

مرتضیٰ برلاس

آبلے روتے ہیں خوں، رنج بڑا ہوتا ہے
کوئی کانٹا جو کفِ پا سے جدا ہوتا ہے

خواجہ وزیر

آبلہ پا گزر گئے کانٹوں کو روندتے ہوئے
سوجھا نہ آنکھ سے پھر کچھ منزلِ یار دیکھ کر

یگانہ

آبرو

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر، زندگی کرنے کی خُو کر لے

اقبال

ساری چمک دمک انہی موتیوں سے ہے
آنسو نہ ہوں تو عشق میں کچھ آبرو نہ ہو

امیر مینائی

یہی اشکِ ندامت میری بخشش کا سبب ٹھہرے
انہی موتی کی لڑیوں سے ملی ہے آبرو مجھ کو

بیخود دہلوی

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

غالب

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

غالب

چپ چاپ اپنی آگ میں جلتے رہو فراز
دنیا تو عرضِ حال سے بے آبرو کرے

احمد فراز

آرزو

یہ آرزو تھی تجھے گُل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبلِ بیتاب گفتگو کرتے

آتش

تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

اقبال

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یا رب
میرے دونوں پہلوؤں میں دل بے قرار ہوتا

امیر مینائی

وہ کچھ اس طرح سے آئے مجھے اس طرح سے دیکھا
میری آرزو سے کم تر، میری تاب سے زیادہ

تاثیر

نہ ہم بدلے، نہ تم بدلے نہ دل کی آرزو بدلی
میں کیسے اعتبارِ انقلاب آساں کرلوں

تاجور نجیب آبادی

غم آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مری ہمتوں کی پستی، مرے شوق کی بلندی

حسرت موہانی

تری آرزو ہے اگر جرم کوئی

تو اس جرم کی میں سزا چاہتا ہوں

حسرت موہانی

ایسا نہ ہو کہ خون کسی آرزو کا ہو

اے چارہ گر نہ دیکھ مرا دل تراش کے

آغا شاعر

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن

دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

بہادر شاہ ظفر

یہاں کسی کو بھی کچھ حسبِ آرزو نہ ملا

کسی کو ہم نہ ملے اور ہم کو تو نہ ملا

ظفر اقبال

آستاں

یہ آستانِ یار ہے صحنِ حرم نہیں

جب رکھ دیا ہے سر تو اٹھانا نہ چاہیے

اصغر گونڈوی

چھوڑ دوں کیوں کر درِ پیرِ مغاں

کوئی ایسا آستانہ اور ہے

جلیل مانک پوری

سجدے مری جبیں کے نہیں اس قدر حقیر

کچھ تو سمجھ رہا ہوں ترے آستاں کو میں

ساغر نظامی

دَیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں

بیٹھے ہیں رہ گذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں

غالب

وفا کیسی، کہاں کا عشق، جب سر پھوڑنا ٹھہرا

تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

غالب

ہر آستاں اگرچہ ترا آستاں نہ تھا

ہر آستاں پہ تجھ کو پکارے چلے گئے

نامعلوم

آسماں، فلک

زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

آتش

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

انشا

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

امیر مینائی

مرے ساتھ چلنے والے تجھے کیا ملا سفر میں
وہی دکھ بھری زمیں ہے وہی غم کا آسماں ہے

بشیر بدر

نہ دل بدلا، نہ دل کی آرزو بدلی، نہ وہ بدلے
میں کیسے اعتبارِ انقلابِ آسماں کرلوں

تاجور نجیب آبادی

جب میں چلوں تو سایہ بھی اپنا نہ ساتھ دے
جب تم چلو زمین چلے آسماں چلے

جلیل مانک پوری

ملتے ہی ان کے بھول گئے کلفتیں تمام
گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا

حالی

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں

داغ

دیکھ چھوٹوں کو اللہ ہے بڑائی دیتا
آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا

ذوق

زمیں نے خون اگلا، آسماں نے آگ برسائی
جب انسانوں کے دن بدلے تو انسانوں پہ کیا گزری

ساحر

حسن محوِ خواب تھا شب یا مرے آغوش میں
بوستاں بھر پھول تھے اور آسماں بھر چاندنی

عندلیب شادانی

ہم کہاں کے دانا تھے، کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

غالب

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

غالب

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جسکے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

غالب

کب خبر تھی انقلابِ آسماں ہو جائے گا
دوست کا ملنا نصیبِ دشمناں ہوجائے گا

خواجہ وزیر

آشنا

زلف آوارہ، گریباں چاک اے مستِ شباب
تیری صورت سے تجھے درد آشنا سمجھا تھا میں

تاثیر

نا آشنا نہیں، رہ و رسمِ جہاں سے ہم
لائیں مگر فریب کی صورت کہاں سے ہم

حفیظ جالندھری

تج دیا تھا کل جن کو ہم نے تیری چاہت میں
آج ان سے مجبوراً تازہ آشنائی کی

احمد فراز

راستے بھر کی رفاقت بھی بہت ہے جانِ من
ورنہ منزل پر پہنچ کر کون کس کا آشنا

احمد فراز

مدتیں گزریں اسی بستی میں لیکن اب تلک
لوگ ناواقف، فضا بیگانہ، ہم نا آشنا

احمد فراز

شاعری اکفاظ کی ہیرا تراشی کا ہے فن!
وہ جو ہیں فن آشنا، ان سے حسد کرتے ہو کیوں

مرتضٰی برلاس

آشیاں، نشیمن

نشیمن نہ جلتا نشانی تو رہتی
ہمارا تھا کیا ٹھیک رہتے نہ رہتے

ثاقب لکھنوی

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

ثاقب لکھنوی

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
چمن اڑگیا آندھیاں آتے آتے

داغ

دابے رہے پروں سے نشیمن کو رات بھر
کیا کیا چلی ہیں تیز ہوائیں تمام رات

ریاض خیرآبادی

آشیانے کی بات کرتے ہو
کس زمانے کی بات کرتے ہو

زہرہ نگاہ

کل ہی آئے تھے قفس سے جو رہائی پاکر
برق نے پھونک دیا آج نشیمن ان کا

آغا شاعر

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا
نہ پھول تھے، نہ چمن تھا، نہ آشیانہ تھا

صفی لکھنوی

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

سودا

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

غالب

کل تک یہی گلشن تھا صیاد بھی بجلی بھی
دنیا ہی بدل دی ہے تعمیر نشیمن نے

فانی بدایونی

دعا بہار کی مانگی تو اتنے پھول کھلے
کہیں جگہ نہ رہی میرے آشیانے کو

قمر جلالوی

کب میرا نشیمن اہل چمن گلشن میں گوارا کرتے ہیں
غنچے اپنی آوازوں میں بجلی کو پکارا کرتے ہیں

قمر جلالوی

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
اس کی بلا سے بوم رہے یا ہما رہے

مصحفی

چار دن کی زندگی ہے کاٹ دو ہنس بول کر
دل لگالو پھر قفس ہی آشیاں ہو جائے گا

یگانہ

خدا کسی کو بھی یہ خوابِ بد نہ دکھلائے
قفس کے سامنے جلتا ہے آشیاں اپنا

یگانہ

یکساں کبھی کسی کی نہ گزری زمانے میں
یادش بخیر بیٹھے تھے کل آشیانے میں

یگانہ

ہم ایسے بدنصیب کہ اب تک نہ مرگئے
آنکھوں کے آگے آگ لگی آشیانے میں

یگانہ

رہ رہ کے جیسے کان میں کہتا یہ کوئی
ہوں گے قفس میں کل جو ہیں آج آشیانے میں

یگانہ

آفتاب

وہ ولولے وہ جوش جوانی کے اب کہاں
ساتھ آفتاب کے گئی دھوپ آفتاب کی

ہری چند اختر

دوچار ہو رہا ہوں تمہارے شباب سے
گویا ملا رہا ہوں نظر آفتاب سے

بیخود دہلوی

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

جلیل مانک پوری

الٹو نقاب بہرِ خدا صبح ہوگئی!
ٹکراؤ آفتاب کو اب آفتاب سے

شوکت رضوی

افسوس ہے کہ ہم تو رہے مستِ خوابِ صبح
اور آفتابِ عمر لبِ بام آگیا

غلام ہمدانی مصحفی

شبنم کے چند قطروں کو پھولوں سے چھین کر
کیا مل گیا ہے پوچھے کوئی آفتاب سے

حکیم ناصر

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی
جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

نامعلوم

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اقبال

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

ثاقب لکھنوی

جو آگ لگائی تھی تم نے، اس کو تو بجھایا اشکوں نے
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے

معین احسن جذبی

چاہت کا جب مزہ ہے کہ وہ بھی ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

ظہیرالدین ظہیر

چپ چاپ اپنی آگ میں جلتے رہو فراز
دنیا تو عرضِ حال سے بے آبرو کرے

احمد فراز

آگ میں کود پڑا دل کی لگی وہ شے ہے
آتشِ شوق کو پوچھے کوئی پروانے سے

یگانہ

آنسو

ساری چمک دمک انہی موتیوں سے ہے
آنسو نہ ہوں تو عشق میں کچھ آبرو نہ ہو

امیر مینائی

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

حسرت موہانی

ہم نے حسرتوں کے داغ، آنسوؤں سے دھو لیے
آپ کی خوشی حضور بولیے نہ بولیے

عدم

موتی ہوں تو پھر سوزنِ مژگاں سے پرو لو
آنسو ہوں تو دامن پہ گرا کیوں نہیں دیتے

مرتضٰی برلاس

ان کے رخسار پہ بہتے ہوئے آنسو توبہ
ہم نے شعلوں پہ مچلتے ہوئے شبنم دیکھی

نامعلوم

آیا ہی تھا خیال کہ آنکھیں چھلک گئیں
آنسو کسی کی یاد سے کتنے قریب تھے

نامعلوم

آنکھیں

ہوش میں آ، سر اٹھا، تاثیر آنکھیں کھول دیکھ
تیری آنکھوں کی قسم وہ شاہِ خوباں آ گیا

تاثیر

کل تم جو بزمِ غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

مومن

جس دل ربا سے ہم نے آنکھیں لڑائیاں ہیں
آخر اسی نے ہم کو آنکھیں دکھائیاں ہیں

فانی بدایونی

اس نازنیں کی باتیں کیا پیاری پیاریاں ہیں
پلکیں ہیں جس کی چھریاں، آنکھیں کٹاریاں ہیں

مصحفی

دور بہت بھاگو ہو ہم سے، سیکھ طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوہ ہے کچھ اچھی آنکھوں والوں کا

میر تقی میر

دیوانہ وار دوڑ کے کوئی لپٹ نہ جائے
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھا نہ کیجئے

یگانہ

آواز

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

صفی لکھنوی

کب میرا نشیمن اہل چمن گلشن میں گوارا کرتے ہیں
غنچے اپنی آوازوں میں بجلی کو پکارا کرتے ہیں

قمر جلالوی

آواز میں غم گھول دیا تھا تو کم از کم
چہرے پہ مرے کرب کے آثار نہ ہوتے

مرتضیٰ برلاس

آواز دے کے دیکھ لو شاید وہ مل ہی جائے
ورنہ یہ عمر بھر کا سفر رائیگاں تو ہے

منیر نیازی

اس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

مومن

انداز ہوبہو تری آوازِ پا کا تھا
دیکھا نکل کے گھر سے تو جھونکا ہوا کا تھا

احمد ندیم قاسمی

آئینہ

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

اقبال

وہ آئینے میں دیکھ رہے تھے بہارِ حسن
آیا میرا خیال تو شرما کے رہ گئے

حسرت موہانی

آئینہ دیکھتے ہیں مجھے دیکھ دیکھ کر
یہ داد مل رہی ہے مرے انتخاب کی

ریاض خیر آبادی

پہلے تو میری یاد سے آئی حیا انہیں
پھر آئینے میں چوم لیا اپنے آپ کو

شکیب جلالی

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

غالب

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

غالب

دِل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جُھکائی دیکھ لی

موجی رام موجی

انداز اپنا دیکھتے ہیں آئینے میں وہ
اور یہ بھی دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

نظام رامپوری

شاید ابھی وہ دیکھ کے آئے ہیں آئینہ
کہتے ہیں مانتا ہوں تمہاری نظر کو میں

نامعلوم

احباب

فیضی جو کام دشمن جاں بھی نہ کر سکے
وہ کام اپنا حلقۂ احباب کرگیا

اسلم فیضی

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ دے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

امیر مینائی

احباب میرے اس طرح مجھ پر ہیں طعنہ زن
جیسے خلوص نام ہی نادانیوں کا ہے

مرتضیٰ برلاس

ادا

دیکھ کر جھجکی مجھے پھر ایسی شرمائی کہ بس
یہ ادا اس کی مجھے اتنی پسند آئی کہ بس

امیرالاسلام ہاشمی

غضب ہے یہ ادا اُن کی دمِ آرائشِ گیسو
جھکی جاتی ہیں آنکھیں خود بخود شرمائے جاتے ہیں

جوش

ملتے ہیں اس ادا سے کہ گویا خفا نہیں
کیا آپ کی نگاہ سے میں آشنا نہیں

حسرت موہانی

قیامت ہیں بانکی ادائیں تمہاری
ادھر آؤ لے لوں بلائیں تمہاری

داغ

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

صبا لکھنوی

تنہا نہ وہ ہاتھوں کی حنا لے گئی دل کو
مکھڑے کے چھپانے کی ادا لے گئی دل کو

مصحفی

اٹکھیلیوں سے چلتے ہیں اور کس کس ادا کے ساتھ
مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

نظام رامپوری

اداس

اس کے بغیر آج بہت جی اداس ہے
جالب چلو کہیں سے اسے ڈھونڈ لائیں ہم

حبیب جالب

ہر شے مری نگاہوں میں تصویر یاس ہے
دل کیا اداس ہے کہ زمانہ اداس ہے

اقبال محمد رسا

غنچے اداس، پھول فسردہ، چمن نڈھال
ویران ہو چلی ہیں بہاروں پہ رحم کر

سیف الدین سیف

اب اداس پھرتے ہو سردیوں کی شاموں میں
اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں

شعیب بن عزیز

شام بھی تھی دھواں دھواں، حسن بھی تھا اداس اداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آکے رہ گئیں

فراق گورکھپوری

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

فیض احمد فیض

میں نے کبھی یہ ضد تو نہیں کی پر آج شب
اے مہ جبیں نہ جا کہ طبیعت اداس ہے

عدم

ترے بغیر کسی چیز کی کمی تو نہیں
ترے بغیر طبیعت اداس رہتی ہے

عدم

ہر اک مکاں کو ہے مکیں سے شرف اسد
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

غالب

دل تو میرا اداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

ناصر کاظمی

چکور خوش ہے کہ بچوں کو آ گیا اڑنا
اداس بھی ہے کہ رُت آئی ہے بچھڑنے کی

نامعلوم

ارمان

آپ کے سر کی قسم داغ کو پروا بھی نہیں
آپ کے ملنے کا ہوگا جسے ارماں ہوگا

داغ

تنگ آگئے ہیں گرمئی ارمانِ شوق سے
وہ ہاتھ اٹھا کے کوس رہے ہیں شباب کو

سیماب اکبرآبادی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

غالب

ہمارا نام لکھ لکھ کر مٹانے کا یہ مطلب ہے
ہمیں برباد کرنے کے بڑے ارمان لگتے ہیں

مرتضیٰ برلاس

اعتبار

اپنی تباہیوں سے زیادہ ہے اس کا غم
لوٹا ہے اس نے جس کا مجھے اعتبار تھا

تحمل الہ آبادی

اس طرح خوش ہوں کسی کے وعدۂ فردا پہ میں
درحقیقت جیسے مجھ کو اعتبار آہی گیا

جگر

خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھایئے قسمیں
مجھے یقین ہوا مجھ کو اعتبار آیا

داغ

وعدے پر اعتبار کیا، ہم نے کیا کیا
جھوٹے کا اعتبار کیا، ہم نے کیا کیا

داغ

جو تمہاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا
تمہیں منصفی سے کہہ دو تمہیں اعتبار ہوتا

داغ

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا

داغ

سلیقہ مے کشی کا ہو تو کر سکتی ہے محفل میں
نگاہِ مستِ ساقی مفلسی کا اعتبار اب بھی

ظفر علی خاں

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

غالب

یہ دو سبب ہوئے اے دل تری تباہی کے
کہ اس نے وعدہ کیا تو نے اعتبار کیا

ناطق لکھنوی

افسانہ، فسانہ

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

آتش

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

درد

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

مرزا محمد رفیع سودا

فسانے یوں تو محبت کے سچ ہیں پر کچھ کچھ
بڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیب داستاں کے لیے

شیفتہ

اک فسانہ سن گئے، اک کہہ گئے
میں جو رویا مسکرا کر رہ گئے

فانی بدایونی

کبھی کہا نہ کسی سے تیرے فسانے کو
نہ جانے کیسے خبر ہو گئی زمانے کو

قمر جلالوی

اب آگے اس میں تمہارا بھی نام آئے گا
جو حکم ہو تو یہیں چھوڑ دوں فسانے کو

قمر جلالوی

امتحان

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

اقبال

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

غالب

شرمندہ ہوگے، رہنے بھی دو امتحان کو
رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو

میر تقی میر

امید

امیدِ حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو
یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادھے بھولے بھالے ہیں

اقبال

دوستوں سے وفا کی امیدیں
کس زمانے کے آدمی تم ہو

بشیر بدر

امید تو بندھ جاتی، تسکین تو ہو جاتی
وعدہ نہ وفا کرتے، وعدہ تو کیا ہوتا

چراغ حسن حسرت

جن سے کوئی امید نہ تھی ان سے کیا امید
جن سے امید تھی وہ دغا دے گئے مجھے

حفیظ جالندھری

لو آج ہم نے توڑ دیا رشتۂ امید
لو اب کبھی گلہ نہ کریں گے کسی سے ہم

ساحر لدھیانوی

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

غالب

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

غالب

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے

غالب

جھوٹ ہی سہی وعدہ کیوں یقیں نہ کر لیتے
بات دل فریب ان کی دل امیدوار اپنا

فضل کریم فضلی

اس سے رکھیے برائی کی امید
جس کسی سے کبھی بھلائی کی

مرتضٰی برلاس

ہزار شکر کہ مایوس کر دیا تو نے
یہ اور بات کہ تجھ سے بڑی امیدیں تھیں

نامعلوم

نہ کوئی وعدہ نہ کوئی یقیں نہ کوئی امید
خبر نہیں مجھے کیوں تیرا انتظار ہے آج

نامعلوم

امید کے دل کش پنگھٹ پر ہم شمع جلائے بیٹھے ہیں
تم وعدہ کر کے بھول گئے ہم آس لگائے بیٹھے ہیں

نامعلوم

انتظار

یہ انتظار سحر کا تھا یا تمہارا تھا
دیا جلایا بھی میں نے دیا بجھایا بھی
آنس معین

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر
اقبال

ہاں ہاں تڑپ تڑپ کے گزاری تمہیں نے رات!
تم ہی نے انتظار کیا، ہم نے کیا کیا
داغ

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا
داغ

میں تجھ کو بھول گیا اس کا اعتبار نہ کر
مگر خدا کے لیے میرا انتظار نہ کر
سردار علی جعفری

تمہارے وعدے کا ہوجائے اعتبار مجھے
تو ساری عمر گوارا ہے انتظار مجھے
شفیق جونپوری

میری نعش کے سرہانے وہ کھڑے یہ کہہ رہے تھے
انہیں نیند یوں نہ آتی اگر انتظار ہوتا
صفی لکھنوی

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں
بہادر شاہ ظفر

دل سے اک دھواں اٹھا، آنکھ ڈبڈبا آئی
انتظار کی آخر کوئی انتہا بھی ہے
عندلیب شادانی

خود سوچتا ہوں میں کہ یہ کیا ہوگیا مجھے
وعدہ نہیں کسی کا مگر انتظار ہے
عندلیب شادانی

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
غالب

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں
غالب

اک عمر کٹ گئی ہے تیرے انتظار میں
ایسے بھی ہیں کہ کٹ نہ سکی جن سے ایک رات
فراق

ہم اہلِ انتظار کے آہٹ پہ کان تھے
ٹھنڈی ہوا تھی، غم تھا ترا، ڈھل چلی تھی رات

فراق

نہ کوئی وعدہ نہ کوئی یقیں نہ کوئی امید
خبر نہیں مجھے کیوں تیرا انتظار ہے آج

نامعلوم

دل محوِ انتظار ہے آنکھیں ہیں فرشِ راہ
آؤ کبھی تو چاہنے والوں کے شہر میں

نامعلوم

ترے آنے کا انتظار رہا
عمر بھر موسم بہار رہا

نامعلوم

انجمن

دیارِ لالہ و سرو و سمن سے گزرے ہیں
قسم خدا کی تری انجمن سے گزرے ہیں

ساغر صدیقی

انجمن انجمن شناسائی
پھر بھی دل کا نصیب تنہائی

طفیل ہوشیار پوری

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

غالب

خیال تک نہ کیا اہلِ انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمع انجمن کے لیے

رضا علی وحشت کلکتوی

اندھیرا

چراغِ طور جلاؤ بڑا اندھیرا ہے
ذرا نقاب اٹھاؤ بڑا اندھیرا ہے

ساغر صدیقی

وہ جن کے ہوتے ہیں خورشید آستینوں میں
انہیں کہیں سے بلاؤ بڑا اندھیرا ہے

ساغر صدیقی

اس اندھیروں کے عہد میں ساغر
کیا کرے گا کوئی اجالوں کو

ساغر صدیقی

ہمیں خبر ہے کہ ہم ہیں چراغِ آخرِ شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہے

ظہیر کاشمیری

چراغِ آخرِ شب اس قدر اداس نہ ہو
کہ تیرے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہے

انعام اللہ خاں یقیں

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

نامعلوم

انسان

وہ شورشیں نظامِ جہاں جن کے دم سے ہے
جب مختصر کیا انہیں انساں بنادیا

اصغر گونڈوی

انسانیت خود اپنی نگاہوں میں ہے ذلیل
اتنی بلندیوں پہ تو انساں نہ تھا کبھی

جگن ناتھ آزاد

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

حالی

زمیں نے خون اگلا، آسماں نے آگ برسائی
جب انسانوں کے دن بدلے تو انسانوں پہ کیا گزری

ساحر

اب تو انساں کی عظمت بھی کوئی چیز نہیں
لوگ پتھر کو خدا مان لیا کرتے تھے

شہزاد احمد

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

غالب

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

میر تقی میر

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے انساں سے

ناسخ

ہر موڑ پہ دولت کے پرستار ملے
انسان بھرے شہر میں دو چار ملے

نسیم لیہ

انگڑائی

اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی

پروین شاکر

اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن
بھولتا ہی نہیں عالم تیری انگڑائی کا

عزیز لکھنوی

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیے مسکرا کے ہاتھ

نظام رامپوری

انقلاب

نہ تم بدلے، نہ ہم بدلے، نہ دل کی آرزو بدلی
میں کیوں کر اعتبارِ انقلابِ آسماں کرلوں

تاجور نجیب آبادی

جب سکوتِ مرگ طاری ہو فضا پر ہر طرف
یہ سمجھ لو جلد ہی اک انقلاب آنے کو ہے

مرتضیٰ برلاس

قصرِ سلطاں کی فلک بوس فصیلوں پہ نہ جا
انقلاب آئیں تو رکتے نہیں دیواروں سے

احمد ندیم قاسمی

ایمان

واعظ نے میرا حاصلِ ایماں نہیں دیکھا
رُخ پر تیری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا

اصغر گونڈوی

تو جان ہے ہماری اور جان ہے تو سب کچھ
ایمان کی کہیں گے ایمان ہے تو سب کچھ

ذوق

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

داغ

بات

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

اقبال

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
میں ان کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

اکبرالہ آبادی

کیا مِل کے دوستوں نے مری موت پر چراغاں
یہ چراغ تم جلاتے تو کچھ اور بات ہوتی

امیر آغا

جرأت کی غزل جس نے سنی، اس نے کہا واہ
کیا بات ہے کیا بات ہے کیا بات ہے واللہ

جرات

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ
ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائے گا

حالی

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

حالی

ہم ہی میں تھی نہ کوئی بات یاد نہ تم کو آسکے
تم نے ہمیں بھلا دیا، ہم نہ تمہیں بھلا سکے

حفیظ جالندھری

گو ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے
لیکن اتنا تو ہوا، کچھ لوگ پہچانے گئے

خاطر غزنوی

غیروں سے التفات پہ ٹوکا تو یہ کہا
دنیا میں بات بھی نہ کریں کیا کسی سے ہم

داغ

راہ پر ان کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں
اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

داغ

بات کرنی تک نہ آتی تھی تمہیں
یہ ہمارے سامنے کی بات ہے

داغ

حق بات آکے رک گئی تھی کبھی شکیب
چھالے پڑے ہوئے ہیں ابھی تک زبان پر

شکیب جلالی

وہ ہم سے خفا ہیں، ہم ان سے خفا ہیں
مگر بات کرنے کو جی چاہتا ہے

شکیل بدایونی

یہ الگ بات کہ ہم تیری رضا سے ڈوبے
ڈوبتے وقت جسے ہم نے پکارا تو ہے

شہزاد احمد

ہم ہیں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو
جان دینے کو ہیں موجود کوئی بات تو ہو

صفی لکھنوی

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

غالب

ہر اک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

غالب

بات پر واں زبان کٹتی ہے
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

غالب

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

فیض احمد فیض

ترے کوچے اس بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا، کبھی اس سے بات کرنا

مصحفی

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنئے گا
باتیں کسی کی سنئے گا تو دیر تلک سر دھنئے گا

میر تقی میر

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی
جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

نامعلوم

بت، بتکدہ

ایسا کہ بت کدے کا جسے راز ہو سپرد
اہلِ حرم میں کوئی نہ آیا نظر مجھے

اصغر گونڈوی

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

اقبال

وہ گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

اقبال

تیار تھے نماز پہ ہم سن کے ذکر حور
جلوہ بتوں کا دیکھ کے نیت بدل گئی

اکبر الہ آبادی

دیکھا ہے بت کدے میں جو اے شیخ کچھ نہ پوچھ
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا

داغ

بت پرستی میرا اصول ہوئی
کس حسیں کی دعا قبول ہوئی

عدم

جو بت کدے میں تھے وہ صاحبانِ کشف و کمال
حرم میں آئے تو کشف و کمال سے بھی گئے

عزیز حامد مدنی

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی

غالب

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

مومن

اب تو جاتے ہیں بت کدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

میر تقی میر

لائے اس بت کو التجا کرکے
کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے

دیا شنکر نسیم

وفا جس سے کی بے وفا ہوگیا
جسے بت بنایا، خدا ہوگیا

نامعلوم

بجلی

جب سے بلبل تو نے دو تنکے لیے
ٹوٹتی ہیں بجلیاں ان کے لیے

امیر مینائی

اس طرف اک آشیانے کی حقیقت کھل گئی
اُس طرف اک شوخ کو بجلی گرانا آ گیا

جذبی

کل تک یہی گلشن تھا صیاد بھی بجلی بھی
دنیا ہی بدل دی ہے تعمیر نشیمن نے

فانی بدایونی

کب میرا نشیمن اہل چمن گلشن میں گوارا کرتے ہیں
غنچے اپنی آوازوں میں بجلی کو پکارا کرتے ہیں

قمر جلالوی

بچھڑنا

اک بار جو مل جائیں وہ بچھڑے ہوئے لمحے
سو بار مجھے تلخیِ ایام گوارا

ہری چند اختر

تجھ سے بچھڑ کے زندہ ہیں
جان بہت شرمندہ ہیں

انور عارف

نہ چاند چمکا، نہ ابر برسا، نہ پھول مہکے نہ خواب آئے
بچھڑ کے تم سے کسے بتائیں کہ حال کیسا عجیب سا تھا

رئیس وارثی

بچھڑ گیا تو کھلیں اس کی عظمتیں کیا کیا
اسے نہ جان سکے جب وہ درمیان میں تھا

ستار سید

بچھڑ کے تجھ سے نہ دیکھا گیا کسی کا ملاپ
اڑا دیے ہیں پرندے شجر میں بیٹھے ہوئے

عدیم ہاشمی

یونہی تو شاخ سے پتے گرا نہیں کرتے
بچھڑ کے لوگ زیادہ جیا نہیں کرتے

محسن بھوپالی

بدنام

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اکبرالہ آبادی

بدنام ہے جہاں میں ظفر جن کے واسطے
وہ جانتے نہیں کہ ظفر کس کا نام ہے

بہادر شاہ ظفر

وہ ہم سے کنارہ کیوں نہ کریں، سچ ہے رسوائے عام ہیں ہم
اے کاش کوئی ان سے پوچھے، کیا بات ہے کیوں بدنام ہیں ہم

عندلیب شادانی

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

غالب

جنوں کا ذکر سرِ عام ہوگیا تو کیا
میں تیرے شہر میں بدنام ہوگیا تو کیا

مرتضٰی برلاس

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
جو چاہیں سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

میر تقی میر

بزم

مے تند و ظرف حوصلۂ اہلِ بزم تنگ
ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا

حالی

حالی بھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزمِ شعر میں
باری تب ان کی آئی کہ گل ہو گئے چراغ

حالی

ہوش میں آچکے تھے ہم، جوش میں آچکے تھے ہم
بزم کا رنگ دیکھ کر سر نہ مگر اٹھا سکے

حفیظ جالندھری

یہ مانا کہ تھی بزمِ اغیار پھر بھی
نگاہیں تو ملتیں اشارا تو ہوتا

سیف الدین سیف

یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

شاد عظیم آبادی

وہ لوگ جن سے تری بزم میں تھے ہنگامے
گئے تو کیا تری بزمِ خیال سے بھی گئے

عزیز حامد مدنی

بوئے گل نالہ دل دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

غالب

میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

غالب

واں وہ غرورِ عزّ و ناز، یاں یہ حجاب پاسِ وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بلائے کیوں

غالب

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

غالب

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیئے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

غالب

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

غالب

دیدار بادہ، حوصلہ ساقی، نگاہ مست
بزمِ خیال میکدۂ بے خروش ہے

غالب

شبِ وصال ہے گل کر دو ان چراغوں کو
خوشی کی بزم میں کیا کام جلنے والوں کا

قوی امروہوی

شب تم جو بزمِ غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

مومن

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

میر تقی میر

میں اور ذوقِ بادہ کشی لے گئیں مجھے
یہ کم نگاہیاں تری بزمِ شراب میں

نامعلوم

کوئی بزم ہو کوئی انجمن، یہ شعار اپنا قدیم ہے
جہاں روشنی کی کمی ملی، وہیں اک چراغ جلا دیا

نامعلوم

بہار، خزاں

فصلِ بہار آئی پیو صوفیو شراب
بس ہوچکی نماز مصلّا اٹھایئے

آتش

جوش شباب، نشہ صہبا، ہجوم شوق
تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو

اصغر گونڈوی

وہ دن جو بہارِ زندگی تھے
وہ دن کبھی لوٹ کر نہ آئے

صوفی تبسم

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ و گل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں، مرا حق ہے فصلِ بہار پر

جگر مرادآبادی

ورق غنچوں کے بکھرے ہیں گریباں چاک پھولوں کے
بہاروں میں یہ عالم ہے، خزاں آئی تو کیا ہوگا

شفیق جونپوری

بجلی کبھی گری کبھی صیاد آگیا
ہم نے تو چار دن بھی نہ دیکھے بہار کے

نامعلوم

بھول

پہلے میں بھول جایا کرتا تھا
اب تو کچھ درگزر نہیں ہوتا

جمال احسانی

ہم تجھے بھول گئے، ہائے تری سادہ دلی
کوئی طائر بھی کہیں بھولا ہے نشیمن اپنا

عندلیب شادانی

مدتیں گزریں تیری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم تجھے بھول گئے ہوں ایسا بھی نہیں

فراق گورکھپوری

سب کا تو مداوا کر ڈالا، اپنا ہی مداوا کر نہ سکے
سب کے تو گریباں سی ڈالے، اپنا ہی گریباں بھول گئے

مجاز

نہ لینا نام اے قاصد، فقط اتنا ہی کہہ دینا
جنہیں تم بھول بیٹھے ہو وہ تم کو یاد کرتے ہیں

نامعلوم

تم نے کیا نہ یاد کبھی بھول کر ہمیں
ہم نے تمہاری یاد میں سب کچھ بھلا دیا

نامعلوم

جنہیں بھلانے میں یارو بڑے زمانے لگے
جو دل دکھا تو وہی لوگ یاد آنے لگے

نامعلوم

بیمار

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

غالب

میر کیا سادہ ہیں، بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

میر تقی میر

بیمارِ محبت نے ابھی یاد کیا تھا
خوب آگئی اے موت تری عمر بڑی ہے

نامعلوم

پتھر

سزا ملی ہے یہ ثمر ور درخت بننے کی
کہ عمر بھر مری قسمت میں صرف پتھر تھے

احمد ندیم قاسمی

دیوار میں لگا تو مکاں پختہ تر ہوا
پتھر بھی راستے کا بڑے کام آ گیا

اختر ہوشیار پوری

بعض کو ٹھوکریں کھا کر ہی سمجھ آتی ہے
کوئی پتھر تو سر راہ پڑا رہنے دو

انجم فوقی بدایونی

کر احترام تو اس راستے کے پتھر کا
جو سنگ میل تھا کل تک مسافروں کے لیے

خواجہ مشتاق احمد (شرقی بن شائق)

ایک پتھر ادھر آیا ہے تو اس سوچ میں ہوں
میری اس شہر میں کس کس سے شناسائی ہے

رضی اختر شوق

آ کے پتھر تو مرے صحن میں دو چار گرے
جتنے اس پیڑ کے پھل تھے پسِ دیوار گرے

شکیب جلالی

اب تو انسان کی عظمت بھی کوئی چیز نہیں
لوگ پتھر کو خدا مان لیا کرتے تھے

شہزاد احمد

ممکن ہو آپ سے تو بھلا دیجئے مجھے
پتھر پہ ہوں لکیر، مٹا دیجئے مجھے

شہزاد احمد

ان راستوں سے گزرا ہے حق گو کوئی ضرور
عارف پڑے ہیں راہ کے پتھر لہو میں تر

عارف شفیق

کوہساروں کے دل پگھلے تو دریا ہوئے جاری
اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ پتھر نہیں روتے

عظمت

میرے ہاتھوں کے تراشے ہوئے پتھر کے صنم
اب بت خانوں میں بھگوان بنے بیٹھے ہیں

عمر انصاری

کل اس کو تراشو گے تو پوجے گا زمانہ
پتھر کی طرح آج جو راہوں میں پڑا ہے

فارغ بخاری

گزرا ہوں جس طرف سے بھی پتھر لگے مجھے
ایسے بھی کیا تھے لعل و جواہر لگے مجھے

احمد فراز

ایک پتھر جو دستِ یار میں ہے
پھول بننے کے انتظار میں ہے

قمر جمیل

کیا شاخوں کو زخمی پتھروں نے
درختوں کو ثمر مہنگا پڑا ہے

لطیف آفاقی

ہم نے بھی کوئی گل تو نہ پھینکے اس طرف
پتھر کے کیا جواب میں پتھر نہ آئیں گے

محسن زیدی

اپنے رستے کے پتھروں کو بھی
فکرِ انسان دے کے آیا ہوں

محمود رحیم

کچھ ہم ہی کو اندازِ جنوں آئے نہ ورنہ
پتھر لیے کچھ لوگ بہر گام رہے ہیں

محمود رحیم

یہ مرحلے بھی محبت کے باب میں آئے
خلوص چاہا تو پتھر جواب میں آئے

مرتضٰی برلاس

ہم بھی دے سکتے تھے ہر اینٹ کا پتھر سے جواب
ایسا کرنے نہ دیا خوفِ خدا نے لوگو

مرتضٰی برلاس

انہی پتھروں پر چل کر اگر آسکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کہیں کہکشاں نہیں ہے

مصطفیٰ زیدی

جانتا ہوں ایک ایسے شخص کو میں بھی منیر
غم سے پتھر ہوگیا لیکن کبھی رویا نہیں

منیر نیازی

آیا ہی تھا ابھی میرے لب پر وفا کا نام
کچھ دوستوں نے ہاتھ میں پتھر اٹھالئے

ناصر کاظمی

پاتے ہیں کچھ گلاب چٹانوں میں پرورش
آتی ہے پتھروں سے بھی خوشبو کبھی کبھی

نامعلوم

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھیں دھڑکنیں
جب بولنے لگے تو ہمیں پر برس پڑے

نامعلوم

کسی نے کہہ دیا اس سے کہ پتھر پوجے جاتے ہیں
خدا بننے کی خاطر خود کو پتھر کرلیا اس نے

نامعلوم

اچھی نہیں نزاکت احساس اس قدر
شیشہ اگر بنو گے تو پتھر بھی آئے گا

نامعلوم

اس دور پرفریب میں کس بے بسی کے ساتھ
ہم پتھروں میں کوئی خدا ڈھونڈتے رہے

نامعلوم

پتھر کو جانتے تھے مگر پوجتے رہے
اہلِ وفا تھے اور مروت کی بات تھی

نامعلوم

سمجھا تھا جن کو پھول وہ نکلے شرارِ سنگ
شیشے میرے نصیب سے پتھر کے ہو گئے

نامعلوم

ایک پتھر کی بھی تقدیر سنور سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ سلیقہ سے تراشا جائے

نامعلوم

پَر

اپنی شورش کا کیا ہے شمع نے اچھا علاج
رکھ لیے ہیں دل میں پروانوں کے پَر ٹوٹے ہوئے!

آغا شاعر

شکیب کیسی اڑان وہ پر ہی ٹوٹ گئے
کہ زیرِ دام جب آئے تھے، پھڑپھڑائے بہت

شکیب جلالی

پر کتر کر مجھے کہتا ہے کہ گلشن سے نکل
ایسی بے پر کی اڑاتا نہ تھا صیاد کبھی

وزیر علی صبا لکھنوی

کوئی ٹھکانہ ہے صیاد تری بدگمانی کا
قفس میں قید ہوں کاٹے ہیں میرے پر پھر بھی

قمر جلالوی

تحسینِ ناروا کے لگے جس کسی کو پَر
اُس کا زمیں پہ پاؤں بھی دھرنا محال ہے

مرتضیٰ برلاس

پسینہ

یہ شبنم ہے اختر کہ فرطِ حیا سے
جھلکتا ہے گُل کی جبیں پر پسینہ

اختر انصاری

نہ میں سمجھا نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

سید شجاع الدین امراؤ مرزا (انور دہلوی)

ٹپکتا ہے پسینہ اس جبیں سے
ستارے جھڑتے ہیں ماہِ مبیں سے

انور دہلوی

بھری دوپہر کا کھلا پھول ہے
پسینے میں لڑکی نہائی ہوئی

بشیر بدر

ہائے ان مخمور آنکھوں کی پریشانی کا حسن
میں نے سمجھا بہاروں کو پسینہ آگیا

عدم

آپ کے رخ پر نہ جانے کیوں پسینہ آگیا
کر رہے تھے ہم کلی کے پھول بن جانے کی بات

علی احمد جلیلی

تارے سے شفق میں چھلکے تھے شبنم میں پھول نہایا تھا
وہ کتنا دل کش منظر تھا جب تم کو پسینہ آیا تھا

عندلیب شادانی

چمن والوں نے شبنم کہہ کر پردہ رکھ لیا ورنہ
پسینہ آگیا تھا گل کو بلبل کی فغاں سن کر

نامعلوم

جام شرمائے، صراحی کو پسینہ آگیا
آپ کو بھی بات کرنے کا قرینہ آگیا

نامعلوم

چمن والوں نے شبنم کہہ کر پردہ رکھ لیا ورنہ
پسینہ آگیا تھا گل کو بلبل کی فغاں سن کر

نامعلوم

جام شرمائے، صراحی کو پسینہ آگیا
آپ کو بھی بات کرنے کا قرینہ آگیا

نامعلوم

پھول، کلیاں اور کانٹے

یہ آرزو تھی تجھے گُل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبلِ بیتاب گفتگو کرتے

آتش

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گُل سو زربکف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

آتش

تمہارے شہیدوں میں داخل ہوئے ہیں
گُل و لالہ و ارغواں کیسے کیسے

آتش

ہو جس میں بوئے وفا اور رنگِ صدق و صفا
ریاضِ دہر میں یا رب وہ پھول ہے کہ نہیں

جگن ناتھ آزاد

بکھر کے پھول فضاؤں میں باس چھوڑ گیا
تمام رنگ یہیں آس پاس چھوڑ گیا

آنس معین

تو کنول کا پھول ہے بے خبر
سر دامن آب میں تر نہ کر

اثر لکھنوی

پھول جھڑتے ہیں دمِ نطق لبوں سے تیرے
تلخ گفتار ہیں ہم ہونٹ سیئے بیٹھے ہیں

اختر انصاری

باقی ہے تری خوشبو ابھی اس گلاب میں
رکھا ہے مدتوں سے جو میری کتاب میں

غلام ربانی خاں اختر

اس قدر تیز ہوا کے جھونکے
شاخ پر پھول کھِلا تھا شاید

ادا جعفری

ہاتھ کانٹوں سے کرلیے زخمی
پھول بالوں میں اک سجانے کو

ادا جعفری

چمن کے رنگ و بو نے اس قدر دھوکا دیا مجھ کو
کہ میں نے شوقِ گُل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھ دی

اصغر گونڈوی

چاہیے داغِ معصیت اس کے حریم ناز میں
پھول یہ ایک بھی نہیں دامنِ پاک باز میں

اصغر گونڈوی

چمن میں کس مزے سے چھیڑتی ہے غنچہ و گل کو
مگر موجِ صبا کی پاک دامانی نہیں جاتی

اصغر گونڈوی

کیا مستیاں چمن میں ہیں جوشِ بہار سے
ہر شاخِ گُل ہے ہاتھ میں ساغر لیے ہوئے

اصغر گونڈوی

سرمئی آنکھوں کے نیچے پھول سے کھلنے لگے
کہتے کہتے کچھ کسی کا سوچنا اچھا لگا

امجد اسلام امجد

باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھیجنی ہیں ایک کم سن کے لیے

امیر مینائی

نزاکت اس گلِ رعنا کی دیکھیو انشا
نسیمِ صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

انشا

باغ اس کا ہے، پھول اس کے ہیں
دسترس جس کی باغباں تک ہے

باقی صدیقی

کئی میل ریت کو کاٹ کر کوئی موج پھول کھلا گئی
کوئی پیڑ پیاس سے مر رہا ہے ندی کے پاس کھڑا ہوا

بشیر بدر

ہماری زندگی میں پھول بن کر کوئی آیا تھا
اسی کی یاد میں اب تک یہ تحریریں مہکتی ہیں

بشیر بدر

وہ سفید پھولوں سی اک دعا، مرے ساتھ ساتھ رہی سدا
یہ اس کا فیض ہے بارہا میں بکھر بکھر کے سنور گیا

بشیر بدر

سب کھلے ہیں کسی کے عارض پر
اس برس باغ میں گلاب کہاں

بشیر بدر

قیس کا نام نہ لو ذکرِ جنوں جانے دو
دیکھ لینا مجھے تم موسمِ گل آنے دو

محمد رضا برق

گلشن گلشن صحرا صحرا مارے مارے پھرتے ہیں
ہم کو وحشی جان کے آہو ساتھ ہمارے پھرتے ہیں

بیتاب عظیم آبادی

وہ جب آئے گا تو پھر اس کی رفاقت کے لیے
موسمِ گل میرے آنگن میں ٹھہر جائے گا

پروین شاکر

گلشن میں کہیں بوئے دمساز نہیں آتی
اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی

ثاقب لکھنوی

حسرت سے دیکھتا ہوں ہر شاخِ گل کی سمت
یہ ضعف اور ہائے یہ عالم بہار کا

جگر

گلشن پرست ہوں، مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کیے جارہا ہوں میں

جگر مرادآبادی

سمجھتی ہیں مآلِ گل مگر کیا زورِ فطرت ہے
سحر ہوتے ہی کلیوں کو تبسم آ ہی جاتا ہے

جوش ملیح آبادی

کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بلبل
کل نہ پہچان سکے گی گلِ تر کی صورت

حالی

یا رب نگاہ بد سے چمن کو بچائیو
بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ

حالی

کبھی کتابوں میں پھول رکھنا، کبھی درختوں پہ نام لکھنا
ہمیں بھی ہے یاد آج تک وہ نظر سے حرفِ سلام لکھنا

حسن رضوی

پاؤں کے چھالوں سے کانٹوں کی بجھائی میں نے پیاس
آج جنگل میں بھی ساقی دورِ پیمانہ چلا

آغا حشر کاشمیری

پھول پہ آکے بیٹھی تو خود پر اترانا بھول گئی
ایسی مست ہوئی وہ تتلی پر پھیلانا بھول گئی

خاور احمد

ایسے کھلا وہ پھول سا چہرہ پھیلی سارے گھر خوشبو
خط کو چھپا کر پڑھنے والی راز چھپانا بھول گئی

خاور احمد

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

ذوق

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے
تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے

ذوق

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

ذوق

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

نواب سید محمد خاں رند لکھنوی

آتے کبھی نہ اپنے گلستاں کو چھوڑ کر
ہم اک حسیں بہار کے دھوکے میں آ گئے

احمد ریاض

ہزار برق گرے، لاکھ آندھیاں اٹھیں
وہ پھول کھل کے رہیں گے جو کھلنے والے ہیں

ساحر لدھیانوی

میرے دامن میں شراروں کے سوا کچھ بھی نہیں
آپ پھولوں کے خریدار نظر آتے ہیں
ساغر صدیقی

جو گلِ تازہ دیا تھا ساگر نے ایک دن
سوکھ جانے پر بھی مجھ کو عمر بھر اچھا لگا
محمد ندیم ساگر

گُل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ براندازِ چمن کچھ تو ادھر بھی
سودا

غنچے اداس، پھول فسردہ، چمن نڈھال
ویران ہو چلی ہیں بہاروں پہ رحم کر
سیف الدین سیف

چمن کے پتے پتے پر لہو ہم نے نچوڑا ہے
بہار آئی تو اندازِ گلستاں ہم بھی دیکھیں گے
سیف الدین سیف

یہ کس نے شاخِ گل لا کر قریب آشیاں رکھ دی
کہ میں نے شوقِ گل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھ دی
سیماب اکبرآبادی

مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شاد یہ کہلا بھیجا ہے
آ جاؤ جو تم کو آنا ہو، ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم
شاد عظیم آبادی

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول
اس پر کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے!
شاد عظیم آبادی

بچھتی تھیں جن کی راہ میں پھولوں کی چادریں
اب ان کی خاک، گھاس کے پیروں تلے بھی دیکھ
شکیب جلالی

یوں تو سارا چمن ہمارا ہے
پھول جتنے بھی ہیں پرائے ہیں
شکیب جلالی

چوما ہے تیرا نام لبِ سرخ نے شکیب
یا پھول رکھ دیا ہے کسی نے کتاب میں
شکیب جلالی

لوگوں کی چادروں پہ بناتی رہی وہ پھول
پیوند اس نے اپنی قبا پر سجا لیے
سبطِ علی صبا

عارف کے دل میں بس گئی اک پھول کی مہک
کچھ پھول کھل رہے تھے مکانوں کے سامنے
عارف شفیق

پھول کھلتے ہیں تو کانٹوں کو جلن ہوتی ہے
مژدۂ زیست ہے بے مہریٔ یاراں مجھ کو
جمیل الدین عالی

کیا حسین خار تھے جو مری نگاہ نے
سادگی سے بارہا روح میں چبھو لیے

عدم

تم چاندنی ہو، پھول ہو، نغمہ ہو، شعر ہو
اللہ رے حسنِ ذوق مرے انتخاب کا

عندلیب شادانی

تصویر میں نے مانگی تھی شوخی تو دیکھیے
اک پھول اس نے بھیج دیا ہے گلاب کا

عندلیب شادانی

لکھا ہے اس نے 'دل کا بھی عالم ہے بس یہی'
بھیجا ہے ایک پھول مسل کر گلاب کا

عندلیب شادانی

حسن محوِ خواب تھا شب یا مرے آغوش میں
بوستاں بھر پھول تھے اور آسماں بھر چاندنی

عندلیب شادانی

تم تو ہمیں کو کہتے تھے یہ تم کو کیا ہوا
دیکھو کنول کے پھولوں سے شبنم چھلک نہ جائے

عندلیب شادانی

تارے سے شفق میں چھٹکے تھے شبنم میں پھول نہایا تھا
وہ کتنا دل کش منظر تھا جب تم کو پسینہ آیا تھا

عندلیب شادانی

چاندنی، موسمِ گل، صحنِ چمن، خلوتِ ناز
خواب دیکھا تھا کہ کچھ یاد ہے کچھ یاد نہیں

عندلیب شادانی

چاندنی افسردہ، گل بے رنگ و بو، نغمے اداس
اک ترے جانے سے کیا بتلاؤں کیا کیا ہوگیا

عندلیب شادانی

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیٔ پرخار میں آوے

غالب

بوئے گل نالہ دل دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

غالب

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھ کر

غالب

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے
کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

غالب

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

غالب

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے میں گُل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

غالب

پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا
جب ذکرِ بہار آیا سمجھے کہ بہار آئی

فانی بدایونی

اگلے برس کے پھولوں کا کیا حشر انہیں معلوم نہیں
کلیوں کا یہ طرز تبسم، یہ شادابی کیا کہیے

فانی بدایونی

کانٹوں کی کسی طور نہ بدلی فطرت
سائے میں رہے گل کے مگر خار رہے

فدا خالدی

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

احمد فراز

زخم کو پھول تو صرصر کو صبا کہتے ہیں
جانے کیا دور ہے، کیا لوگ ہیں، کیا کہتے ہیں

احمد فراز

سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کر کے دیکھتے ہیں

احمد فراز

سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
کہ پھول اپنی قبائیں کتر کے دیکھتے ہیں

احمد فراز

وہ خار خار ہے شاخِ گُلاب کی مانند
میں زخم زخم ہوں پھر بھی گلے لگاؤں اسے

احمد فراز

پھول کھلتے ہیں تو ہم سوچتے ہیں
تیرے آنے کے زمانے آئے

احمد فراز

میں جو کانٹا ہوں تو چل مجھ سے بچا کر دامن
میں ہوں پھول تو جُوڑے میں سجا لے مجھ کو

قتیل شفائی

تاروں کی بہاروں میں بھی قمر تم افسردہ سے رہتے ہو!
پھولوں کو دیکھو کانٹوں میں ہنس ہنس کے گزارا کرتے ہیں

قمر جلالوی

دعا بہار کی مانگی تو اتنے پھول کھلے
کہیں جگہ نہ رہی میرے آشیانے کو

قمر جلالوی

گلشن میں آگ لگ رہی تھی رنگِ گل سے میر
بلبل پکاری دیکھ کے صاحب پرے پرے

میر تقی میر

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

میر تقی میر

پتا پتا، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے
نہ جانے تو گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

میر تقی میر

رومال پر تھے پھول کڑھے، پات شال پر
دیکھا تھا میں نے کل اسے اک ٹِک سٹال پر

ناصر شہزاد

دیتے ہیں سراغ فصلِ گل کا
شاخوں پہ جلے ہوئے بسیرے

ناصر کاظمی

مختصر یہ ہے داستان حیات
پھول ڈھونڈے ہیں خار پائے ہیں

احمد ندیم قاسمی

تیز رکھیو سرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آ جائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

مرزا تقی ہوس

میزانِ عدل آئی اب ایسوں کے ہاتھ میں
کانٹوں سے تولتے ہیں جو پھولوں کے ہار کو

یگانہ

دیکھتے ہی دیکھتے بدلا زمانے کا یہ رنگ
پھولوں میں خوشبو حسینوں میں وفاداری نہیں

یگانہ

آبلہ پا گزر گئے کانٹوں کو روندتے ہوئے
سوجھا نہ آنکھ سے پھر کچھ منزلِ یار دیکھ کر

یگانہ

ہم نے کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا ہے اکثر
لوگ بے درد ہیں پھولوں کو مسل دیتے ہیں

نامعلوم

بکھر گئے تھے جو کل شب گلاب کیسے تھے
ہوا کے ساتھ نہ جانے عذاب کیسے تھے

نامعلوم

کہکشاں، چاند، شفق، پھول، ستارے، جگنو
ہر طرف تیرے تبسم کی ضیا ہو جیسے

نامعلوم

کانٹا ہے وہ کہ جس نے چمن کو لہو دیا
خونِ بہار جس نے پیا ہے وہ پھول ہے

نامعلوم

اک بار چاٹ گئی جسے دھوپ کی خواہش
پھر شاخ پہ اس پھول کو کھلتے نہیں دیکھا

نامعلوم

میں تجھ کو بھول جاؤں گا لیکن یہ شرط ہے
گلشن میں چل کے پھول سے خوشبو جدا کرو

نامعلوم

پیار

جو کہا میں نے کہ پیار آتا ہے مجھ کو تم پر
ہنس کے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے

اکبر الہ آبادی

دنیا کی فکر، دین کی باتیں، خدا کی یاد
سب کچھ بھلا دیا ترے دو دن کے پیار نے

اختر شیرانی

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ
مجھ کو غصّے پہ پیار آتا ہے

امیر مینائی

اِس شرط پہ کھیلوں گی، پیا پیار کی بازی
جیتوں تو تجھے پاؤں، ہاروں تو پیا تیری

پروین شاکر

تو لاکھ پڑھتا رہے پیار کے منتر ساجد
جن کی فطرت میں ہو ڈسنا وہ ڈسا کرتے ہیں

ساجد

تجھ کو خبر نہیں مگر اک سادہ لوح کو
برباد کردیا تیرے دو دن کے پیار نے

ساحر لدھیانوی

سیف کیا چار دن کی رنجش سے
اتنی مدت کا پیار ٹوٹ گیا

سیف الدین سیف

میں اپنے دیس کی مٹی سے پیار کرتا ہوں
یہ جرم بھی مری فردِ حساب میں آئے

مرتضیٰ برلاس

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
ان سے بھی تو پوچھئے، تم اتنے کیوں پیارے ہوئے

میر تقی میر

ہم فقیروں سے کج ادائی کیا
آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

میر تقی میر

سو سو امیدیں بندھتی ہیں اک اک نگاہ پر
مجھ کو نہ ایسے پیار سے دیکھا کرے کوئی

نامعلوم

پیرمغاں

کعبہ و دَیر میں تو لوگ ہیں آتے جاتے
وہ نہ لوٹے جو درِ پیرِ مغاں تک پہنچے

تاثیر

چھوڑ دوں کیوں کر درِ پیرِ مغاں
کوئی ایسا آستانا اور ہے

جلیل مانک پوری

زاہد سے کہو خدمتِ مے چاہیے برسوں
دو دن میں کوئی پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا

جلیل مانک پوری

جو ہم آئے تو کیوں بوتل الگ پیر مغاں رکھ دی
پرانی دوستی بھی طاق پر اے مہرباں رکھ دی

ریاض خیرآبادی

میں تو جب مانوں کہ بھر دے ساغرِ ہر خاص و عام
یوں تو جو آیا وہی پیرِ مغاں بنتا گیا

مجروح

وہ خود بدل گئے کہ زمانہ بدل گیا
دیکھا ہے ان کو آج تو پیرِ مغاں کے ساتھ

وفا میرٹھی

تصویر

آ کر گرا تھا کوئی پرندہ لہو میں تر
تصویر اپنی چھوڑ گیا ہے چٹان پر

شکیب جلالی

تصویر میں نے مانگی تھی شوخی تو دیکھیے
اک پھول اس نے بھیج دیا ہے گلاب کا

عندلیب شادانی

تو اگر پاس بھی ہوتا یوں ہی ساکت ہوتا
اب جو تو پاس نہیں ہے تری تصویر تو ہے

مرتضیٰ برلاس

دلّی کے نہ تھے کوچے ، اوراقِ مصور تھے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

میر تقی میر

تعلق

دفعتاً ترکِ تعلق میں بھی رسوائی ہے
اُلجھے دامن کو چھڑاتے نہیں جھٹکا دے کر

آرزو لکھنوی

ترکِ تعلقات پہ رویا نہ تو نہ میں
لیکن یہ کیا کہ چین سے سویا نہ تو نہ میں

خالد احمد

مر گئے پھر بھی تعلق ہے یہ میخانے سے
میرے حصے کی چھلک جاتی ہے پیمانے سے

ریاض خیرآبادی

پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا
جب ذکرِ بہار آیا سمجھے کہ بہار آئی

فانی بدایونی

جس کے ایما پر کیا ترکِ تعلق سب سے
اب وہی شخص مجھے طعنہ تنہائی دے

احمد فراز

ترکِ تعلقات کو اک لمحہ چاہیے
لیکن تمام عمر مجھے سوچنا پڑا

نامعلوم

تغافل

آیا نہ ہوگا اس کو تغافل میں کچھ مزا
ذوقِ نگاہ ہم نے جتایا نہیں ہنوز

حالی

ہم اور ترے حسن تغافل سے بگڑتے
جب تو نے کہا مان گئے، مان گئے ہم

سیف الدین سیف

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہوجائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

غالب

کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہوگئے

غالب

اک طرزِ تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

فیض احمد فیض

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

میر وزیر علی صبا

تکلف

بس یہ ہوا کہ اس نے تکلف سے بات کی
اور ہم نے روتے روتے دوپٹے بھگو لیے

پروین شاکر

وہ ملے تو بے تکلف نہ ملے تو بے ارادہ
نہ طریق آشنائی نہ رسوم جام و بادہ

تاثیر

ے ذوقِ تکلف میں ہے تکلیف سراسر
آرام میں ہے وہ جو تکلف نہیں کرتا

ذوق

اگلی ہی گلی میں رہتا ہے اور ملنے تک نہیں آتا ہے
کہتا ہے تکلف کیا کرنا، ہم تم میں تو پیار کا ناتا ہے

جمیل الدین عالی

تماشا

وہ بلائیں تو کیا تماشا ہو
ہم نہ جائیں تو کیا تماشا ہو

ساغر صدیقی

یہ کناروں سے کھیلنے والے
ڈوب جائیں تو کیا تماشا ہو

ساغر صدیقی

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

غالب

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

غالب

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے!
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

غالب

تمنا

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر، زندگی کرنے کی خُو کر لے

اقبال

جب کشتی ثابت و سالم تھی ساحل کی تمنا کس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے

معین احسن جذبی

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے
تو گُل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے

ذوق

ابھی زندہ ہوں لیکن سوچتا رہتا ہوں خلوت میں
کہ اب تک کس تمنا کے سہارے جی لیا میں نے

ساحر لدھیانوی

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

شاد عظیم آبادی

عرصۂ حشر میں بخشش کی تمنا ہے تمہیں
تم نے جو کچھ نہ کیا اس کا صلہ مانگتے ہو

شہزاد احمد

گورا گورا ان کا مکھڑا، پھول سا، مہتاب سا
اے شبستانِ تمنا دیکھتا ہوں خواب سا

عابد علی عابد

شعلوں سے کھیلنا ہے تمنا کی پرورش
میں جل چکا ہوں تم کو ابھی تجربہ نہیں

عندلیب شادانی

منزلِ عشق پہ تنہا پہنچے کوئی تمنا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا

فانی

اک طرزِ تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

فیض احمد فیض

تنہا، تنہائی

تم کہ میری محفل آرائی سے دھوکا کھا گئے
کس طرح تم کو بتاؤں کس قدر تنہا ہوں میں

جگن ناتھ آزاد

سو بار چمن مہکا، سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق دل کی وہی تنہائی

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم

میں وہ آدم گزیدہ ہوں جو تنہائی کے صحرا میں
خود اپنی چاپ سُن کر لرزہ براندام ہو جائے

شکیب جلالی

یوں تو اس شہر میں ہر اک سے محبت ہے تمہیں
جانے تنہائی میں کس کس کا برا مانتے ہو

شہزاد احمد

شمع و پروانہ ہیں یک جا، گل و بلبل ہیں بہم
رحم اے دوست خدارا میری تنہائی پر

عندلیب شادانی

جس کے ایما پر کیا ترکِ تعلق سب سے
اب وہی شخص مجھے طعنہ تنہائی دے

احمد فراز

رات بھر چاند کی ٹھنڈک میں سلگتا ہے بدن
کوئی تنہائی کے دوزخ سے نکالے مجھ کو

محسن احسان

یہ اجنبی سی منزلیں اور رفتگاں کی یاد
تنہائیوں کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو

منیر نیازی

جن کی رفاقتوں کو نہ بھولے گا دل کبھی
تنہا ہمیں وہ چھوڑ کے جانے کدھر گئے

نامعلوم

توبہ

پارسائی کی جواں مرگی نہ پوچھ!
توبہ کرنی تھی کہ بدلی چھاگئی!

اختر شیرانی

بات ساقی کی نہ ٹالی جائے گی
کرکے توبہ توڑ ڈالی جائے گی

جلیل مانک پوری

حشر یہ کالی گھٹا اور توبہ کا خیال
تم یہی بیٹھے رہو، میں سوئے میخانہ چلا

آغا حشر کاشمیری

یا خدا آج میری توبہ بچائے کوئی
رُخِ روشن پہ گھٹا زلف کی گھِر آئی ہے

روشن

جامِ مے توبہ شکن، توبہ مری جام شکن
سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

ریاض خیرآبادی

کالی کالی یہ گھٹا، یہ نکھری نکھری چاندنی
توبہ توبہ اب میری توبہ بڑی مشکل میں ہے

نامعلوم

ان کے رخسار پہ بہتے ہوئے آنسو توبہ
ہم نے شعلوں پہ مچلتے ہوئے شبنم دیکھی

نامعلوم

تیز

نہ اتنی تیز چلے، سرپھری ہوا سے کہو
شجر پہ ایک ہی پتہ دکھائی دیتا ہے

شکیب جلالی

بے نیازانہ برابر سے گزرنے والے
تیز کچھ قلب کی رفتار ہوئی تھی یا نہیں

عندلیب شادانی

ہم نے کوشش تو بہت کی کہ اُجالا ہو جائے
دیپ جلنے نہ دیا تیز ہوا نے لوگو

مرتضیٰ برلاس

ٹھوکر

بعض کو ٹھوکریں کھا کر ہی سمجھ آتی ہے
کوئی پتھر تو سر راہ پڑا رہنے دو

انجم فوقی بدایونی

راہ میں بیٹھا ہوں میں تم سنگِ رہ سمجھو مجھے
آدمی بن جاؤں گا کچھ ٹھوکریں کھانے کے بعد

بیخود دہلوی

شاعر ان کی دوستی کا اب بھی دم بھرتے ہیں آپ
ٹھوکریں کھا کر تو سنتے ہیں سنبھل جاتے ہیں لوگ

حمایت علی شاعر

ٹھوکر سے میرا پاؤں تو زخمی ہوا ضرور
رستے میں جو کھڑا تھا وہ کوہسار ہٹ گیا

شکیب جلالی

ٹوٹا تو بکھر کر ترے پیروں میں چبھوں گا
ٹھوکر نہ لگا مجھ کو میں شیشے کی طرح ہوں

کاشف حسن غائر

کوئی ٹھوکر جو لگی گردشِ دوراں کے سبب
لوگ اس کو بھی مری لغزشِ پا کہتے ہیں

مرتضٰی برلاس

ثواب

عید کے روز میکدے میں ہے کوئی ایسا ریاض
ایک چلو دے کے لے جو تیس روزوں کا ثواب

ریاض خیرآبادی

زاہد جو اپنے روزے سے تھوڑا ثواب دے
میکش اسے شراب پلائیں تمام رات

ریاض خیرآبادی

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

غالب

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

غلام ہمدانی مصحفی

وہ آج آئے ہیں تربت پہ فاتحہ پڑھنے
ثواب لوٹتے ہیں خاک میں ملا کے مجھے

قاضی نکوری

جنوں

مانا چمن میں حکم زباں بندیوں کے ہیں
رازِ جنوں کو فاش کریں ہم مگر کہاں

جگن ناتھ آزاد

جسے لینا ہو آکر اس سے اب درسِ جنوں لے لے
سنا ہے ہوش میں ہے اصغرِ دیوانہ برسوں سے

اصغر گونڈوی

قیس کا نام نہ لو ذکرِ جنوں جانے دو
دیکھ لینا مجھے تم موسمِ گل آنے دو

محمد رضا برق

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

حسرت موہانی

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کردیا آزاد
تیرے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

حسرت موہانی

اے جنوں! دو چار باتیں تھیں پسند اس کی مجھے
کام میں نے بھی لیے ہیں عقلِ نافرجام سے

شاد عظیم آبادی

کوئی اے شکیل دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہوگئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

شکیل بدایونی

یوں تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنادیتے ہیں

سید ظہیر الدین ظہیر دہلوی

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

غالب

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

غالب

تیز رکھیو سرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

مرزا تقی ہوس

ان دنوں جوشِ جنوں ہے ترے دیوانے کو
لوگ ہر سو سے چلے آتے ہیں سمجھانے کو

نامعلوم

ہر اک سے پوچھتے ہیں وہ میرے جنوں کا حال
دیوانہ بن گیا ہے کہ دیوانہ ہوگیا

نامعلوم

جواب

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

غالب

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

غالب

یہ مرحلے بھی محبت کے باب میں آئے
خلوص چاہا تو پتھر جواب میں آئے

مرتضٰی برلاس

یاس کہتی ہے کہ تیرا نامہ بر مارا گیا
آس کہتی ہے کہ ترے خط کا جواب آنے کو ہے!

نامعلوم

جوانی

ہے جوانی خود جوانی کا سنگار
سادگی گہنا ہے اس سن کے لیے

امیر مینائی

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

حالی

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
مرادوں کی راتیں، جوانی کے دن

میر حسن

اک ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی
اُف تیری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

داغ دہلوی

پچھلے پہر اٹھ اٹھ کے نمازیں، ناک رگڑنی سجدے پہ سجدے
جو نہیں جائز اس کی دعائیں، اف رے جوانی ہائے زمانے

شاد عظیم آبادی

عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں مُوند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

میر تقی میر

جہان

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

امیر مینائی

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

ذوق

آرام سے ہے کون جہانِ خراب میں
گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں

مصطفیٰ خاں شیفتہ

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

میر تقی میر

چاند، چاندنی

سو چاند بھی چمکیں گے تو کیا بات بنے گی
تم آئے تو اس رات کی اوقات بنے گی

جاں نثار اختر

کل چودھویں کی رات تھی، شب بھر رہا چرچا ترا
کچھ نے کہا یہ چاند ہے، کچھ نے کہا چہرہ ترا

ابنِ انشا

عدم اتفاق اور اتنا حسیں
ملاقات اور چاندنی رات میں

عدم

تم چاندنی ہو، پھول ہو، نغمہ ہو، شعر ہو
اللہ رے حسنِ ذوق مرے انتخاب کا

عندلیب شادانی

تم دور تھے نظر سے اور چاندنی کھلی تھی
آنکھوں سے رات پیہم ٹوٹا کیے ستارے

عندلیب شادانی

وہ چاندنی میں تیرے تبسم کی کہکشاں
کیا ایک بار اور میسر نہ آئے گی

عندلیب شادانی

حسن محوِ خواب تھا شب یا مرے آغوش میں
بوستاں بھر پھول تھے اور آسماں بھر چاندنی

عندلیب شادانی

چاندنی، موسمِ گل، صحنِ چمن ، خلوتِ ناز
خواب دیکھا تھا کہ کچھ یاد ہے کچھ یاد نہیں

عندلیب شادانی

چاندنی افسردہ، گل بے رنگ و بو، نغمے اداس
اک ترے جانے سے کیا بتلاؤں کیا کیا ہوگیا

عندلیب شادانی

کبھی پھول سے ابھر کر، کبھی چاندنی میں ڈھل کر
تیرا حسن چھیڑتا ہے مجھے رخ بدل بدل کر

نامعلوم

پوچھا جوان سے چاند نکلتا ہے کس طرح
زلفوں کو رخ پہ ڈال کے جھٹکا دیا کہ یوں

نامعلوم

چراغ، دیا

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہلِ محفل
چراغِ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

اقبال

صبحِ صادق میں بہت دیر نہیں ہے لیکن
کہیں عجلت میں چراغوں کو بجھا مت دینا

اقبال عظیم

انیس دم کا بھروسہ نہیں ذرا ٹھہرو
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

انیس

وہ آئے بزم میں اتنا تو برق نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

مہاراج بہادر برق

خبر نہیں تھی وہ آنے میں دیر کر دے گا
دیا بجھا دیا میں نے، یہ کیا کیا میں نے

جمال احسانی

حالی بھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزمِ شعر میں
باری تب ان کی آئی کہ گل ہو گئے چراغ

حالی

بلبل ہوں صحنِ باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر

ذوق

پھر اس کے گھر میں ہو نہ سکی روشنی کبھی
جس کا چراغ تو نے جلا کر بجھا دیا

شفیق جونپوری

ایک اپنا دیا جلانے کو
تم نے لاکھوں دیے بجھائے ہیں

شکیب جلالی

ہمیں خبر ہے کہ ہم ہیں چراغِ آخرِ شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہے

ظہیر کاشمیری

بنا گلاب تو کانٹے چبھا گیا اک شخص
ہوا چراغ تو گھر ہی جلا گیا اک شخص

عبیداللہ علیم

ہم سا جہاں میں کوئی نہ ہوگا سیہ بخت
روشن ہے بزمِ غیر ہمارے چراغ سے

عندلیب شادانی

مایوسیوں میں دل کا وہ عالم دمِ وداع
بجھتے ہوئے چراغ کی لو جیسے تھرتھرائے

عندلیب شادانی

بوئے گل نالہ دل دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

غالب

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

غالب

اپنی محرومی کے احساس سے شرمندہ ہیں
خود نہیں رکھتے تو اوروں کے بجھاتے ہیں چراغ

احمد فراز

ستونِ دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ
جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے

مجروح

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تو نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

مرتضیٰ برلاس

میں نے کہا کہ بن ترے کیسے کٹے گی زندگی
جلتے ہوئے چراغ کو اس نے بجھا دیا کہ یوں!

مرتضیٰ برلاس

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

میر تقی میر

اہلِ چمن کو آج بھی ان کی تلاش ہے
جو لوگ آندھیوں میں جلاتے رہے چراغ

نذیر چوہدری

سحر ہوئی تو مرے گھر کو راکھ کرتا گیا
وہ اک چراغ جسے رات بھر بچایا ہے

نوشی گیلانی

رہگذر پر نہ سہی تیز ہوائیں ہیں اگر
گھر کے اندر تو چراغوں کو جلائے رکھنا

یاسمین حمید

چراغِ آخر شب اس قدر اداس نہ ہو
کہ تیرے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہے

انعام اللہ خاں یقیں

کوئی بزم ہو کوئی انجمن، یہ شعار اپنا قدیم ہے
جہاں روشنی کی کمی ملی، وہیں اک چراغ جلا دیا

نامعلوم

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

نامعلوم

سحر ہوئی بھی تو ہم نے دیے بجھائے نہیں
کہ جن کو آنا تھا اب تک وہ لوگ آئے نہیں

نامعلوم

سحر بھی آئی تو لائی اسی چراغ کی موت
جو ساری رات سلگتا رہا سحر کے لیے

نامعلوم

چشم، نظر، نگاہ، آنکھ

صاف ظاہر ہے نگاہوں سے کہ ہم مرتے ہیں
منہ سے کہتے ہوئے یہ بات مگر ڈرتے ہیں

اختر انصاری

جفائے ناز کی میں نے شکایت کیوں کی تھی
مجھے جینے نہیں دیتی نگاہ شرمسار اس کی

اختر شیرانی

پہلی نظر بھی آپ کی اف کس بلا کی تھی
ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پر لیے ہوئے

اصغر گونڈوی

کہاں خرد ہے کہاں ہے نظامِ کار اس کا
یہ پوچھتی ہے تری نرگسِ خمار آلود

اصغر گونڈوی

عام ہے وہ جلوہ لیکن اپنا اپنا طرزِ دید!
میری آنکھیں بند ہیں اور چشمِ انجم باز ہے

اصغر گونڈوی

شیوۂ منصور تھا اہلِ نظر کو بھی گراں
پھر بھی کس حسرت سے سب دار و رسن دیکھا کیے

اصغر گونڈوی

ساقی تری نگاہ کو پہچانتا ہوں میں
مجھ سے فریبِ ساغر و مینا نہ چاہیے

اصغر گونڈوی

لوگ آتے ہیں لوگ جاتے ہیں
میری آنکھوں میں آج بھی تم ہو

بشیر بدر

آج تو اس پہ ٹھہرتی ہی نہ تھی آنکھ ذرا
اس کے جاتے ہی نظر میں نے اتاری اس کی

پروین شاکر

نظر بھر کے جو دیکھ سکتے ہیں تجھ کو
میں ان کی نظر دیکھنا چاہتا ہوں

تاجور نجیب آبادی

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

جلیل مانک پوری

اللہ رے چشمِ یار کی معجز بیانیاں
ہر اک کو ہے گماں کہ مخاطب ہمیں رہے

جگر

ہم ایسے اہلِ نظر کو ثبوتِ حق کے لیے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

جوش ملیح آبادی

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

حالی

یہ تری چشم فسوں گر میں کمال اچھا ہے
ایک کا حال برا، ایک کا حال اچھا ہے

داغ

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

سودا

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

فتح علی شیدا

تم دور تھے نظر سے اور چاندنی کھلی تھی
آنکھوں سے رات پیہم ٹوٹا کیے ستارے

عندلیب شادانی

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہوگئیں

غالب

کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہوگئے

غالب

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

غالب

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

غالب

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

غالب

سُن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی
آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہوگیا

فانی بدایونی

یہی کہا تھا مری آنکھ دیکھ سکتی ہے
تو مجھ پہ ٹوٹ پڑا سارا شہرِ نابینا

احمد فراز

چھلک کے کم نہ ہو ایسی کوئی شراب نہیں
نگاہِ نرگسِ رعنا ترا جواب نہیں

فراق گورکھپوری

ازل سے جو نہ مٹ سکی وہ بے کسی تھی عشق کی
تری نگاہِ لطف نے ہزار آسرا دیا

فراق گورکھپوری

تم نہ آئے اور رات رہ گئی راہ دیکھتی
تاروں کی محفلیں بھی آج آنکھیں بچھا کے رہ گئیں

فراق گورکھپوری

تمہاری بے رخی نے لاج رکھ لی بادہ خانے کی
تم آنکھوں سے پلا دیتے تو پیمانے کہاں جاتے

قتیل شفائی

الگ بیٹھے تھے پھر بھی آنکھ ساقی کی پڑی ہم پر
اگر ہے تشنگی کامل تو پیمانے بھی آئیں گے

مجروح سلطان پوری

دلّی کے نہ تھے کوچے، اوراقِ مصوّر تھے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

میر تقی میر

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

میر تقی میر

میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

میر تقی میر

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں مُوند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

میر تقی میر

بے ساختہ نگاہیں جو آپس میں مل گئیں
کیا منہ پہ اس نے رکھ لیے آنکھیں چرا کے ہاتھ

نظام رامپوری

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشقِ دل گیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

خواجہ محمد وزیر وزیر

میں اور ذوقِ بادہ کشی لے گئیں مجھے
یہ کم نگاہیاں تری بزمِ شراب میں

نامعلوم

دل محوِ انتظار ہے آنکھیں ہیں فرشِ راہ
آؤ کبھی تو چاہنے والوں کے شہر میں

نامعلوم

تجھے دانستہ محفل میں اگر دیکھا تو مجرم ہوں
نظر آخر نظر ہے بے ارادہ اٹھ گئی ہوگی

نامعلوم

اچھی صورت بھی کیا بری شے ہے
جس نے ڈالی بری نظر ڈالی

نامعلوم

چمن، گلشن

کس طرح کر سکو گے بہاروں کو مطمئن
اہلِ چمن جو میں بھی چمن میں نہ آسکوں

جگن ناتھ آزاد

مانا چمن میں حکم زباں بندیوں کے ہیں
رازِ جنوں کو فاش کریں ہم مگر کہاں

جگن ناتھ آزاد

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

اختر انصاری

آیا جو مے کشی کو چمن میں وہ بادہ نوش
ہر ایک گُل کے ہاتھ میں اک جام دے گیا

میر امانی اسد

بنا لیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے

اصغر گونڈوی

وہ نغمہ بلبل رنگیں نوا اک بار ہو جائے
کلی کی آنکھ کھل جائے، چمن بیدار ہو جائے

اصغر گونڈوی

اڑائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اقبال

اڑالی قمریوں نے، طوطیوں، نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری

اقبال

اہلِ چمن کو قیدِ قفس کی ہے آرزو
صیاد سے بھی بڑھ کر ستم باغباں کے ہیں

تاجور نجیب آبادی

سو بار چمن مہکا، سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق دل کی وہی تنہائی

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم

اے چمن والو چمن میں یوں گزارا چاہیے
باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

جلیل

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ و گل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں، مرا حق ہے فصلِ بہار پر

جگر مرادآبادی

گلشن پرست ہوں، مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں

جگر مرادآبادی

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

جگر مراد آبادی

چمن والوں سے مجھ صحرا نشیں کی بودوباش اچھی
بہار آکر چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی

حیدر دہلوی

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

ساغر صدیقی

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

سراج دکنی

ہے غارتِ چمن میں یقیناً کسی کا ہاتھ
شاخوں پہ انگلیوں کے نشاں دیکھتا ہوں میں

سیماب اکبر آبادی

اے ہم نفسو! دم لینے دو بھولے ہوئے نغمے یاد آلیں
آئے ہیں چمن میں اڑ کے ابھی، چھوٹے ہیں اسی دم دام سے ہم

شاد عظیم آبادی

یوں تو سارا چمن ہمارا ہے
پھول جتنے بھی ہیں پرائے ہیں

شکیب جلالی

صدیوں میں طے ہوا تھا بیاباں کا راستہ
گلشن کو لوٹتے ہوئے پل بھر لگا مجھے

شکیب جلالی

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

بہادر شاہ ظفر

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

غالب

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہوگئیں

غالب

کیا بیت گئی اب کے فراز اہلِ چمن پر؟
یارانِ قفس مجھ کو صدا کیوں نہیں دیتے

احمد فراز

دشمن کی دوستی ہے اب اہلِ وطن کے ساتھ
ہے اب خزاں چمن میں نئے پیرہن کے ساتھ

مجروح

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
اس کی بلا سے بوم رہے یا ہما رہے

مصحفی

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا

مرزا جانِ جاں مظہر

لہو دے کے سینچا ہے ہم نے چمن کو
ہر اک پھول کا ماجرا جانتے ہیں

ناصر کاظمی

چمن کے رنگ و بو نے اس قدر دھوکے دیے مجھ کو
کہ میں نے شوقِ گل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھ دی

نخشب جارچوی

یہ چمن سے کون چلا گیا
کہ چمن بھی آج ملول ہے

نامعلوم

چمن والوں نے شبنم کہہ کر پردہ رکھ لیا ورنہ
پسینہ آ گیا تھا گل کو بلبل کی فغاں سن کر

نامعلوم

چہرہ

کل چودھویں کی رات تھی، شب بھر رہا چرچا ترا
کچھ نے کہا یہ چاند ہے، کچھ نے کہا چہرہ ترا

ابنِ انشا

چہرے سے وہ نقاب اٹھاتے نہیں کبھی
کہتے ہیں کوئی دیکھنے والا نہیں رہا

جلیل مانک پوری

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

جلیل مانک پوری

یہ خوب کیا ہے یہ زشت کیا ہے جہاں کی اصلی سرشت کیا ہے
بڑا مزا ہو تمام چہرے اگر کوئی بے نقاب کردے

حفیظ جالندھری

کیا کہوں دیدۂ تر، یہ تو مرا چہرہ ہے
سنگ کٹ جاتے ہیں، بارش کی جہاں دھار گرے

شکیب جلالی

رہتا تھا سامنے ترا چہرہ کھلا ہوا
پڑھتا تھا میں کتاب یہی ہر کلاس میں

شکیب جلالی

جب بھی چاہیں اک نئی صورت بنا لیتے ہیں لوگ
ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لیتے ہیں لوگ
قتیل شفائی

حال

خدا کرے نہ تمھیں میرے حال سے واقف
نہ ہو مزاجِ مبارک ملال سے واقف
آتش

لوگوں کو بھی ملال ہوا میرے حال پر
مجھ کو بھی داستان سنانے کا دکھ ہوا
جمال احسانی

یہ دردِ غربت، یہ اشکِ پیہم، یہ اجنبی شہر کی ہوائیں
مگر جو وہ میرا حال پوچھیں تو میرے پیاروں سے کچھ نہ کہنا
خلیل الرحمن اعظمی

حجاب

وہ جھکی جھکی سی پلکیں، وہ عرق عرق عارض
شکوۂ ستم کر کے خود مجھے حجاب آیا

جگر

افشائے رازِ عشق کے باعث تمہیں تو ہو
سو بے حجابیاں ہیں تمہارے حجاب میں

آغا جان عیش

واں وہ غرورِ عزّ و ناز، یاں یہ حجابِ پاسِ وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بلائے کیوں

غالب

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ یوں ہیں حجاب میں

غالب

ادائے حسن کی معصومیت کو کم کر دے
گنہگار نظر کو حجاب آتا ہے

فیض احمد فیض

ادا آئی، جفا آئی، غرور آیا، حجاب آیا
ہزاروں آفتیں لے کر حسینوں پر شباب آیا

نوح ناروی

حساب

ترے کرم کے معاملے کو ترے کرم ہی پہ چھوڑتا ہوں
مری خطائیں شمار کر لے، مری سزا کا حساب کر دے

حفیظ جالندھری

رند بخشے گئے قیامت میں
شیخ کہتا رہا حساب، حساب

کشفی ملتانی

اک دن حساب ہوگا کہ دنیا کے واسطے
کن صاحبوں کا مسلک رندانہ چھٹ گیا

مصطفےٰ زیدی

حسرت

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

واجد علی شاہ اختر

شیوۂ منصور تھا اہلِ نظر کو بھی گراں
پھر بھی کس حسرت سے سب دار و رسن دیکھا کیے

اصغر گونڈوی

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

ذوق

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

غالب

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

غالب

ہم نے حسرتوں کے داغ آنسوؤں سے دھو لیے
آپ کی خوشی حضور بولیے نہ بولیے

عدم

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزہ کی زندگی کٹتی
اگر ہوتا چمن اپنا، گُل اپنا، باغباں اپنا

مرزا جانِ جاناں مظہر

چل ساتھ کہ حسرت دلِ مرحوم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

فدوی عظیم آبادی

حسرت پہ اس مسافرِ بے کس کی روئیے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

غلام ہمدانی مصحفی

حُسن

مری نگاہوں نے جھک جھک کے کر دیے سجدے
جہاں جہاں سے تقاضائے حسنِ یار ہوا

اصغر گونڈوی

تو برقِ حسن اور تجلّی سے یہ گریز
میں خاک اور ذوقِ تماشا لیے ہوئے

اصغر گونڈوی

ہاں ہاں تمہارے حسن کی کوئی خطا نہیں
میں حسنِ اتفاق سے دیوانہ ہو گیا

اکبر الہ آبادی

اے شاہِ حسن عرض ہے یہ احترام سے
اتنا گریز اچھا نہیں ہے غلام سے

جمال احسانی

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

حسرت موہانی

وہ آئینے میں دیکھ رہے تھے بہارِ حسن
آیا میرا خیال تو شرما کے رہ گئے

حسرت موہانی

رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے رخ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

درد

تعریف سن کے حضرت یوسف کے حسن کی
غصے میں بند کھول رہے ہیں نقاب کے

دلگیر اکبر آبادی

ہر چیز پر بہار تھی ہر شے پہ؟ حسن تھا
دنیا جوان تھی مرے عہدِ شباب میں

سیماب اکبر آبادی

جب سے حضورِ حسن میں سر کو جھکا دیا
لاکھوں ہی حادثاتِ زمانہ گزر گئے

عباس بیگ

تری زلف میں آئی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامہ سیاہ میں ہے

عدم

اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن
بھولتا ہی نہیں عالم تیری انگڑائی کا

عزیز لکھنوی

تم چاندنی ہو، پھول ہو، نغمہ ہو، شعر ہو
اللہ رے حسنِ ذوق مرے انتخاب کا

عندلیب شادانی

حسن محوِ خواب تھا شب یا مرے آغوش میں
بوستاں بھر پھول تھے اور آسماں بھر چاندنی

عندلیب شادانی

ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا
ہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے

غالب

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

غالب

شام بھی تھی دھواں دھواں، حسن بھی تھا اداس اداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کے رہ گئیں

فراق گورکھپوری

کئی بار اس کا دامن بھر دیا حسنِ دو عالم سے
مگر دل ہے کہ اس کی خانہ ویرانی نہیں جاتی

فیض احمد فیض

عشق کا ذوقِ نظارہ مفت میں بدنام ہے
حسن خود بے تاب ہے جلوے دکھانے کے لیے

مجاز

حسین

جمع ہوئے ہیں کچھ حسیں گرد میرے مزار کے
پھول کہاں سے کھِل پڑے، دن تو نہ تھے بہار کے

آرزو

یہ کس کو دیکھ کر دیکھا ہے میں نے بزم ہستی کو
کہ جو شے ہے نگاہوں کو حسیں معلوم ہوتی ہے

اختر شیرانی

اس بزم میں جو سب سے الگ سب سے حسیں ہے
مائل بہ کرم ہم پہ وہی زہرہ جبیں ہے

اقبال حیدری

مری نظر نے عجب کارِ لاجواب کیا
کہ تم کو لاکھ حسینوں میں انتخاب کیا

جلیل مانک پوری

حسینوں سے فقط صاحب سلامت دور کی اچھی
نہ ان کی دوستی اچھی، نہ ان کی دشمنی اچھی

حفیظ ہوشیار پوری

حشر، محشر

اُسی کی سی کہنے لگے اہلِ حشر
کہیں پُرسشِ داد خواہاں نہیں

صدرالدین آزردہ

ملے گی شیخ کو جنت، مجھے دوزخ عطا ہوگا
بس اتنی بات ہے، جس کے لیے محشر بپا ہوگا

ہری چند اختر

سنا ہے حشر میں شانِ کرم بے تاب نکلے گی
لگا رکھا ہے سینے سے متاعِ ذوقِ عصیاں کو

اصغر گونڈوی

عرصۂ محشر میں میری خوب رسوائی ہوئی
داورِ محشر کو اپنا رازداں سمجھا تھا میں

اقبال

کہہ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی
ہائے، کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی

امیر مینائی

وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ حشر
چیخ اٹھا ہر بے گنہ میں بھی گنہگاروں میں ہوں

امیر مینائی

قریب ہے یار روزِ محشر، چھپے گا کشتوں کا قتل کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

امیر مینائی

داورِ حشر میرا نامۂ اعمال نہ دیکھ!
اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

تاثیر

حشر یہ کالی گھٹا اور توبہ کا خیال
تم یہیں بیٹھے رہو میں سوئے میخانہ چلا

آغا حشر کاشمیری

دیدۂ تر سے بھی سرزد ہوا اک جرمِ عظیم
حشر میں نامۂ اعمال کو دھونا چاہا

حفیظ جالندھری

ندامت ہوئی حشر میں جن کے بدلے
جوانی کی دو چار نادانیاں ہیں

حفیظ جالندھری

بڑا مزہ ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لیے

داغ

کہہ دیں گے ہم تو داورِ محشر سے صاف صاف
اچھوں کو دل نے پیار کیا ہم نے کیا کیا

داغ

آخر کو بے نقاب وہ یہ کہہ کے ہوگیا
کس کس سے آج حشر میں پردہ کرے کوئی

رضا لکھنوی

حشر میں کون گواہی مری دے گا ساغر
سب تمہارے ہی طرف دار نظر آتے ہیں

ساغر صدیقی

یہاں سیف ہر دن قیامت کا دن ہے
وہ کس حشر پر بات ٹالے ہوئے ہیں

سیف الدین سیف

حشر میں انصاف ہوگا، بس یہی سنتے رہو
کچھ یہاں ہوتا رہا ہے، کچھ وہاں ہوجائے گا

آغا شاعر قزلباش

عرصۂ حشر میں بخشش کی تمنا ہے تمہیں
تم نے جو کچھ نہ کیا اس کا صلہ مانگتے ہو

شہزاد احمد

بات کو حشر تک نہ لے جانا
اتفاقاً نظر سے بھول ہوئی

عدم

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں، خلوت ہی کیوں نہ ہو

غالب

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہوجائے گا

غالب

اٹھو ورنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

شاہ دین ہمایوں

حق، ناحق

حق بات آ کے رک سی گئی تھی کبھی شکیب
چھالے پڑے ہوئے ہیں ابھی تک زبان پر

شکیب جلالی

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

غالب

یہ لاشِ بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

غالب

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

غالب

میں چپ رہا تو سارا جہاں تھا مری طرف
حق بات کی تو کوئی کہاں تھا مری طرف

احمد فراز

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہے ہیں سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

میر تقی میر

حق بات نہ تیغ و سرِ دار کریں گے
یہ جرم گر زندہ ہیں تو سو بار کریں گے

نامعلوم

حوصلہ

مے تند و ظرف حوصلۂ اہلِ بزم تنگ
ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا

حالی

وقت خوش خوش کاٹنے کا مشورہ دیتے ہوئے
رو پڑا وہ آپ مجھ کو حوصلہ دیتے ہوئے

ریاض مجید

جی میں آتا ہے الٹ دیں ان کے چہرے سے نقاب
حوصلہ کرتے ہیں لیکن حوصلہ ہوتا نہیں

ساغر صدیقی

تمہارے بعد نہ جانے کیا ہوا دل کو
کسی سے ربط بڑھانے کا حوصلہ نہ ہوا

سیف الدین سیف

ثبوت اب حوصلے کا اور کیا دوں
تمہارے عہد میں زندہ رہا ہوں

عارف شفیق

اک فرصتِ گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

فیض احمد فیض

ضبط کا حوصلہ دنیا کو بھی بخشا ہوتا
تو نے بخشی تھی اگر جرأتِ اظہار مجھے

مرتضیٰ برلاس

پیالہ خالی اٹھا کر لگا لیا منہ سے
کہ یاس کچھ تو نکل جائے حوصلہ دل کا

یگانہ

حیا

سحر ہوتے ہی وہ اس طرح شرما کر سدھارا ہے
کہ مجھ کو عمر بھر اب رنجِ محرومی گوارا ہے

احسان دانش

یہ شبنم ہے اختر یا فرطِ حیا سے
جھلکتا ہے گل کی جبیں پر پسینہ

اختر انصاری

شریر آنکھ، نگہ بے قرار، چتون شوخ
تم اپنی شکل تو پیدا کرو حیا کے لیے

داغ

پہلے تو میری یاد سے آئی حیا انہیں
پھر آئینے میں چوم لیا اپنے آپ کو

شکیب جلالی

گھبرا کے چاند چھپ گیا بادل کی اوٹ میں
بے ساختہ وہ جانِ حیا یاد آ گئی

شکیب جلالی

جب سے دیکھا ہے کہ نااہل بھی ہیں جام بکف
مجھ کو پیمانہ اٹھانے سے حیا آتی ہے

عدم

اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے

غالب

غیر کو یا رب وہ کیوں کر منع گستاخی کرے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

غالب

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے

غالب

تم جوانی کی کشاکش میں کہاں بھول گئے
وہ جو معصوم شرارت تھی حیا سے پہلے

فانی بدایونی

خدا، یزداں، ناخدا

خدا کرے نہ تمھیں میرے حال سے واقف
نہ ہو مزاجِ مبارک ملال سے واقف

آتش

عقل آرائی و تدبیر سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

ارشاد لکھنوی

مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کردے!
میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کردے

افتخار عارف

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

اکبر الہ آبادی

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اکبر الہ آبادی

کشتیاں سب کی کنارے پہ پہنچ جاتی ہیں
ناخدا جن کا نہ ہو، ان کا خدا ہوتا ہے

امیر مینائی

خدا ہم کو ایسی خدائی نہ دے
کہ اپنے سوا کچھ دکھائی نہ دے

بشیر بدر

خدا مجھ کو تجھ ہی سے محروم کردے
جو کچھ اور تیرے سوا چاہتا ہوں

تاجور نجیب آبادی

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

محمد علی جوہر

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

آغا حشر کاشمیری

جب کوئی تازہ مصیبت ٹوٹتی ہے اے حفیظ
ایک عادت ہے خدا کو یاد کرلیتا ہوں میں

حفیظ جالندھری

وفا جس سے کی بے وفا ہو گیا
جسے بت بنایا خدا ہو گیا

حفیظ جالندھری

بڑا مزہ ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لیے

داغ

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

ذوق

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

سودا

اندھیری رات، طوفانی ہوا، ٹوٹی ہوئی کشتی
یہی اسباب کیا کم تھے کہ اس پہ ناخدا تم ہو

سرشار سیلانی

اللہ رے خود فریبی اہل حرم کہ اب
بندے بھی دیکھتے ہیں خدا کے مقام سے

سیف الدین سیف

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا، وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

بہادر شاہ ظفر

تخلیقِ کائنات کے دلچسپ جرم پر
ہنستا تو ہوگا آپ بھی یزداں کبھی کبھی

عدم

خدا کا پرتو کہیں پڑا ہے تو بس عقاید کی بستیوں پر
دلوں کی اقلیم پر تو ساقی نگار ہی حکمراں رہے ہیں

عدم

آتا ہے داغِ حسرتِ دِل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

غالب

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

غالب

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

غالب

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

غالب

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا، کیا ہے؟

غالب

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

غالب

اچھا یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
اک تو ہی ناخدا نہیں ظالم خدا بھی ہے

فانی

زاہد کو اپنے زہد پہ کس درجہ ناز ہے
اس نے سنا نہیں کہ خدا بے نیاز ہے

نادر کاکوروی

لائے اس بت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

دیا شنکر نسیم

خدا کے فضل سے یوسف جمال کہلائے
اب اور چاہتے کیا ہو پیمبری مل جائے

وزیر لکھنوی

بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے
وہ بد نصیب جسے بختِ نارسا نہ ملا

یگانہ

خدا کسی کو بھی یہ خوابِ بد نہ دکھلائے
قفس کے سامنے جلتا ہے آشیاں اپنا

یگانہ

موت مانگی تھی خدائی تو نہیں مانگی تھی
لے دعا کر چکے اب ترکِ دعا کرتے ہیں

یگانہ

کعبہ نہیں کہ ساری خدائی کو دخل ہو
دل میں سوائے یار کسی کا گزر نہیں

یگانہ

مجھے اے ناخدا آخر کسی کو منہ دکھانا ہے
بہانہ کر کے تنہا پار اتر جانا نہیں آتا

یگانہ

وفا جس سے کی، بے وفا ہوگیا
جسے بت بنایا، خدا ہوگیا

نامعلوم

سنتے ہیں کہ مِل جاتی ہے ہر چیز دعا سے
اک روز تمہیں مانگ کے دیکھیں گے خدا سے

نامعلوم

خرابات

فصلِ بہار آئی پیو صوفیو شراب
بس ہو چکی نماز مصلّیٰ اٹھائیے

آتش

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

آزردہ دہلوی

سوئے میکدہ نہ جاتے تو کچھ اور بات ہوتی
وہ نگاہ سے پلاتے تو کچھ اور بات ہوتی

آغا حشر

پارسائی کی جواں مرگی نہ پوچھ
توبہ کرنی تھی کہ بدلی چھا گئی

اختر شیرانی

جانے شیخ کو شب کیا سوجھی، رندوں کو سمجھانے آئے
صبح کو سارے مے کش ان کو مسجد تک پہنچانے آئے

میر امانی اسد

آیا جو مے کشی کو چمن میں وہ بادہ نوش
ہر ایک گُل کے ہاتھ میں اک جام دے گیا

میر امانی اسد

رند جو ظرف اٹھالیں وہی ساغر بن جائے
جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے

اصغر گونڈوی

صہبائے تند و تیز کو ساقی سنبھالنا!
اُچھلے کہیں نہ شیشہ و ساغر لیے ہوئے

اصغر گونڈوی

گوشہ گوشہ علم و حکمت کا ہے سب دیکھا ہوا
یہ غنیمت ہے درِ میخانہ اب تک باز ہے

اصغر گونڈوی

مری رندی عجب رندی مری مستی عجب مستی
کہ سب ٹوٹے پڑے ہیں شیشہ و پیمانہ برسوں سے

اصغر گونڈوی

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

اقبال

واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں
اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

اقبال

محفل ان کی، ساقی ان کا
آنکھیں میری، باقی ان کا

اکبر الہ آبادی

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
ڈاکا تو نہیں مارا، چوری تو نہیں کی ہے

اکبرالہ آبادی

اب تو اتنی بھی میسر نہیں میخانے میں
جتنی ہم چھوڑ دیا کرتے تھے پیمانے میں

اکبر راہی

انگور میں تھی یہ مے پانی کی چار بوندیں
جس دن سے کھنچ گئی ہے تلوار ہوگئی ہے

امیر مینائی

زاہد امیدِ رحمتِ حق اور ہجوِ مے
پہلے شراب پی کے گنہگار بھی تو ہو

امیر مینائی

جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا
لگا کے برف میں ساقی صراحی مے لا

انشا

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجئے
زاہد نہیں، میں شیخ نہیں، کچھ ولی نہیں

انشا

مے کی صراحی ایسی لا برف میں لگا کر
جس کے دھوئیں سے ہووے ساقی دماغ ٹھنڈا

انشا

پریشاں ہو تم بھی، پریشاں ہوں میں بھی
چلو میکدے میں وہیں بات ہوگی

بشیر بدر

یہاں لباس کی قیمت ہے آدمی کی نہیں
مجھے گلاس بڑا دے شراب کم کردے

بشیر بدر

سب کو مارا جگر کے شعروں نے
اور جگر کو شراب نے مارا

جگر

اے رحمت تمام مری ہر خطا معاف
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا

جگر

آزردگی خاطر ساقی کو دیکھ کر
مجھ کو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گیا

جگر

اف رے تجلی رخ ساقی کہ بادہ کش
رہ رہ گئے ہیں ہاتھ میں ساغر لیے ہوئے

جگر

ہم فقیر میکدہ ساقی ہمیں کیا چاہیے
ہے وہی کافی چھلک جاتی ہے جتنی جام سے

جلیل مانک پوری

پینے سے کر چکا تھا میں توبہ مگر جلیل
بادل کا رنگ دیکھ کے نیت بدل گئی

جلیل مانکپوری

بات ساقی کی نہ ٹالی جائے گی
کرکے توبہ توڑ ڈالی جائے گی

جلیل مانک پوری

یہ سن کے ہم نے میخانے میں اپنا نام لکھوایا
جو میکش لڑکھڑاتا ہے وہ بازو تھام لیتے ہیں

جوش ملیح آبادی

یہ حالت ہوگئی ہے ایک ساقی کے نہ ہونے سے
کہ خم کے خم بھرے ہیں مے سے اور میخانہ خالی ہے

محمد علی جوہر

ایک ساغر بھی عنایت نہ ہوا یاد رہے
ساقیا جاتے ہیں، میخانہ ترا آباد رہے

چکبست لکھنوی

مے تند و ظرف حوصلۂ اہلِ بزم تنگ
ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا

حالی

حالی نشاطِ نغمۂ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

حالی

حشر یہ کالی گھٹائیں اور توبہ کا خیال
تم یہیں بیٹھے رہو میں سوئے میخانہ چلا

آغا حشر کاشمیری

بے موسمی کا شغل تھا اپنی نماز بھی
فصل بہار آگئی مے نوش ہوگئے

حفیظ جالندھری

پی لو دو گھونٹ کہ ساقی کی رہے بات حفیظ
صاف انکار میں خاطر شکنی ہوتی ہے

حفیظ جونپوری

راز کھل جائے نہ ساقی کی تہی دستی کا
جام خالی ہی سہی ہونٹوں سے لگائے رکھنا

خاموش غازی پوری

میخانے کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغ
ہر ایک پوچھتا ہے کہ حضرت ادھر کہاں؟

داغ

لطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

داغ

ساقیا! یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

خواجہ میر درد

کبھو خوش بھی کیا ہے دل کسی رندِ شرابی کا
بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

درد

کل جو اک پگڑی ہوئی تھی میکدے میں رہنِ مے
ذوق وہ تیری ہی دستارِ فضیلت ہو تو ہو

ذوق

اے ذوق دیکھ دختر رز کو نہ منہ لگا
چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

ذوق

ساقیا عید ہے لا بادہ سے مینا بھر کے
کہ مے آشام پیاسے ہیں مہینا بھر کے

ذوق

آخر گِل اپنی صرفِ درِ مے کدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

ذوق

گر نظمِ میکدہ نہیں بدلا تو ساقیا
مے خوار چھین لیں گے ترے ہاتھ سے سبو

رضی شرفی

صد سالہ دورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

ریاض خیر آبادی

عید کے روز میکدے میں ہے کوئی ایسا ریاض
ایک چلّو دے کے لے جو تیس روزوں کا ثواب

ریاض خیر آبادی

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی
میکدے سے اب پرانی جائے گی

ریاض خیر آبادی

مر گئے پھر بھی تعلق ہے یہ میخانے سے
میرے حصے کی چھلک جاتی ہے پیمانے سے

ریاض خیر آبادی

جامِ مے توبہ شکن، توبہ مری جام شکن
سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

ریاض خیر آبادی

خود بھی پییں انہیں بھی پلائیں تمام رات
جاگیں تمام رات جگائیں تمام رات

ریاض خیر آبادی

چھلکائیں، لاؤ، بھر کے گلابی شراب کی
تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی

ریاض خیر آبادی

آؤ اک سجدہ کریں عالم مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں

ساغر صدیقی

زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر
یا وہ جگہ بتادے جہاں پر خدا نہ ہو

ساغر نظامی

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

سودا

ساقی گئی بہار، رہی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

سودا

بوریا تھا، کچھ شبینہ مے تھی یا ٹوٹے سبو
اور کیا اس کے سوا مستوں کے مے خانے میں تھا

شاد عظیم آبادی

ویران کیجیے کہ دلوں کو بسائیے
مے کش تمام آپ کے، مے خانہ آپ کا

شاد عظیم آبادی

لے کے خود پیر مغاں ہاتھ میں مینا آیا
میکشو شرم کہ اس پر بھی نہ پینا آیا

شاد عظیم آبادی

کہاں سے لاؤں صبر حضرت ایوب اے ساقی!
خُم آئے گا، صراحی آئے گی تب جام آئے گا

شاد عظیم آبادی

سبو اپنا اپنا ہے، جام اپنا اپنا
کیے جاؤ مے خوارو! کام اپنا اپنا

شاد عظیم آبادی

شراب جام میں دی تو نے ساقیا یا زہر
کسے دماغ ہے اتنا جو امتیاز کرے

شاد عظیم آبادی

برملا کہنے لگے ہیں مست مے خانے کا راز
ہم نہ کہتے تھے پلا ساقی انہیں انداز سے

شاد عظیم آبادی

دیکھا کیے وہ مست نگاہوں سے بار بار
جب تک شراب آئے کئی دور ہو گئے

شاد عظیم آبادی

ساقی شراب اور خراباتیوں کو دے
ہم تیری چشمِ مست سے مدہوش ہو گئے

شاد عظیم آبادی

یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

شاد عظیم آبادی

سلیقہ مے کشی کا ہو تو کر سکتی ہے محفل میں
نگاہِ مستِ ساقی مفلسی کا اعتبار اب بھی

ظفر علی خاں

نکل جاتی ہو سچی بات جس کے منہ سے مستی میں
فقیہِ مصلحت بیں سے وہ رندِ بادہ خوار اچھا

ظفر علی خاں

میں میکدے کی راہ سے ہوکر نکل گیا
ورنہ سفر حیات کا بے حد طویل تھا

عدم

کہتے ہیں عمرِ رفتہ کبھی لوٹتی نہیں
جا میکدے سے میری جوانی اٹھا کے لا

عدم

تو میری فکر نہ کر کوئی فرصت ہے تو چل مے پی آئیں
مجھ کو تو ہمیشہ ایسے ہی حالات نے گھیرا ہوتا ہے

عدم

جب سے دیکھا ہے کہ نااہل بھی ہیں جام بکف
مجھ کو پیمانہ اٹھانے سے حیا آتی ہے

عدم

میکدے کے حوض کا فیضِ عام دیکھ کر
ہم نے بھی کبھی کبھی خشک لب بھگو لیے

عدم

آ اے غمِ دوراں درِ میخانہ ہے نزدیک
آرام سے بیٹھیں گے ذرا بات کریں گے

عدم

کہہ دو یہ عدم سے کہ خرابات میں کل رات
کچھ لوگ فقیروں کی مدارات کریں گے

عدم

خرابات میں بیٹھ کر دو گھڑی
عدم عمرِ رفتہ کی باتیں کریں

عدم

کبھی اس طرف بھی پیارے سرِ شام بے ارادہ
نکل آ کہ چند لمحے چلے جام بے ارادہ

عدم

ساقی شراب لا کہ طبیعت اداس ہے
مطرب رباب اٹھا کہ طبیعت اداس ہے

عدم

لوگ کہتے ہیں عدم نے مے گساری چھوڑ دی
افترا ہے، جھوٹ ہے، بہتان ہے، الزام ہے

عدم

مے کے بارے میں اتنی خبر ہے ہم کو
چیز اچھی ہے طبیعت کی روانی کے لیے

عدم

میری نظر سے بجھ گئے جلتے ہوئے چراغ
تیری نظر سے میکدے آباد ہوگئے

عدم

میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

غالب

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

غالب

رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لیے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

غالب

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

غالب

غالب چھٹی شراب پہ اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

غالب

جب میکدہ چھٹا تو پھر کیا جگہ کی قید
مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

غالب

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم
ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے

غالب

کہاں میخانے کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں، کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

غالب

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

غالب

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

غالب

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

غالب

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں

غالب

کون ہوتا ہے حریفِ مے مرد افگنِ عشق
ہے مکرر لبِ ساقی پہ صدا میرے بعد

غالب

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

غالب

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے

غالب

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بےخودی مجھے دن رات چاہیے

غالب

دیدار بادہ، حوصلہ ساقی، نگاہ مست
بزمِ خیال میکدۂ بے خروش ہے

غالب

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیٔ گفتار
رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

غالب

قرض کی پیتے تھے مے اور سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

غالب

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

غالب

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغر جم سے مرا جام سفال اچھا ہے

غالب

غمِ دنیا بھی غمِ یار میں شامل کرلو
نشہ بڑھتا ہے شرابیں جو شرابوں میں ملیں

احمد فراز

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

فیض احمد فیض

تم ناحق ناراض ہوئے ہو ورنہ میخانے کا پتہ
ہم نے ہر اس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے

غلام محمد قاصر

ہلِ واعظ تو تا دیر رہے گی قائم
یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

قائم چاندپوری

بادہ پھر بادہ ہے، میں زہر بھی پی جاؤں قتیل
شرط یہ ہے کوئی بانہوں میں سنبھالے مجھ کو

قتیل شفائی

نکل کر دیر و کعبہ سے اگر ملتا نہ میخانہ
تو ٹھکرائے ہوئے انساں خدا جانے کہاں جاتے

قتیل شفائی

تمہاری بے رخی نے لاج رکھ لی بادہ خانے کی
تم آنکھوں سے پلا دیتے تو پیمانے کہاں جاتے

قتیل شفائی

اے پیرِ حرم اے پیرِ حرم یہ چھیڑ پرانے رندوں سے
کیا تیرا یہ منشا تو نہیں ہم لوٹ چلیں میخانے کو

قتیل شفائی

صد سالہ دورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

کرامت اللہ خاں گستاخ رام پوری

اس محفل کیف و مستی میں، اس انجمن عرفانی میں
سب جام بکف بیٹھے ہی رہے، ہم پی بھی گئے چھلکا بھی گئے

اسرار الحق مجاز

الگ بیٹھے تھے پھر بھی آنکھ ساقی کی پڑی ہم پر
اگر ہے تشنگی کامل تو پیمانے بھی آئیں گے

مجروح سلطان پوری

صہبائے تند و تیز کی حدت کو کیا خبر
شیشے سے پوچھیے جو مزا ٹوٹنے میں تھا

مصطفٰے زیدی

تائب تھے احتساب سے جب سارے بادہ کش
مجھ کو یہ افتخار کہ میں میکدے میں تھا

مصطفٰے زیدی

دنیا تمام چھٹ گئی پیمانے کے لیے
وہ میکدے میں آئے تو پیمانہ چھٹ گیا

مصطفٰے زیدی

ہمارے پینے کا آج انتظام کر لینا
ملا کے توبہ کے ٹکڑوں کو جام کر لینا

میر علی نواز خاں ناز (والی ریاست خیر پور، سندھ)

کسی کے آتے ہی ساقی کے ایسے ہوش اڑے
شراب سیخ پہ ڈالی، کباب شیشے میں

خواجہ وزیر

بڑی ضد تھی واعظ کو مے سے بظاہر
مگر پی گیا ناروا کہتے کہتے

صاحبزادہ نصیر الدین نصیر

دینا وہ اس کا ساغرِ مے یاد ہے نظام
منہ پھیر کر اُدھر کو اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ

نظام رامپوری

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
بس ترستے ہی چلے اب ایک پیمانے کو ہم

نظیر اکبر آبادی

مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں
جی میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم

نظیر اکبر آبادی

زاہد حرام مے کو نہ کہنا وگرنہ میں
جنت میں چھین لوں گا پیالہ شراب کا

خواجہ وزیر

پیالہ خالی اٹھا کر لگالیا منہ سے
کہ یاس کچھ تو نکل جائے حوصلہ دل کا

یگانہ

یوں تو ساقی ہر طرح کی تیرے میخانے میں ہے
وہ بھی تھوڑی سی جو ان آنکھوں کے پیمانے میں ہے

نامعلوم

قدم رکھنا سنبھل کر میکدے میں حضرت واعظ
یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

نامعلوم

خط

کمرے میں چھپ کے میں نے جلایا تھا اس کا خط
پھر راکھ سارے شہر میں کیسے بکھر گئی

اجمل نیازی

ایسا کھلا وہ پھول سا چہرہ، پھیلی سارے گھر خوشبو
خط کو چھپا کر پڑھنے والی، راز چھپانا بھول گئی

خاور احمد

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

غالب

خطا

وہ وفائیں تھیں کہ جفائیں تھیں نہ یہ سوچ کس کی خطائیں تھیں
وہ ترا ہے اس کو گلے لگا جو گزر گیا سو گزر گیا

بشیر بدر

تم کو چاہا تو خطا کیا ہے بتادو مجھ کو
دوسرا کوئی تو اپنا سا دکھادو مجھ کو

داغ

زندگی بھر وفا ہمیں سے ہوئی
سچ ہے یارو خطا ہمیں سے ہوئی

ناصر کاظمی

خواب

بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے
یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

آتش لکھنوی

حُسن کو بے نقاب دیکھا ہے
میں نے بھی ایک خواب دیکھا ہے

اختر انصاری

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

غالب

ہے غیبِ غیب، جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

غالب

پلکیں بھی چمک اٹھتی ہیں سوتے میں ہماری
آنکھوں کو ابھی خواب چھپانے نہیں آتے

نامعلوم

خوش، خوشی

کل رات میں شکست ستم گر سے خوش ہوا
وہ رو پڑا تو دل مرا اندر سے خوش ہوا

جمال احسانی

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

حالی

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

ذوق

ہر حال میں خوش رہنا اور شکر ادا کرنا
جب خود کو مٹا ڈالا، پھر جا کے ہوا ممکن

مرتضیٰ برلاس

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

میر تقی میر

خوشبو، باس

لمحے لمحے میں بسی ہے، تری یادوں کی مہک
آج کی رات تو خوشبو کا سفر لگتی ہے

جاں نثار اختر

گزرے ہیں تیرے بعد بھی کچھ لوگ ادھر سے
لیکن تیری خوشبو نہ گئی رہگزر سے

امجد اسلام امجد

بادل ہو تو برسو کبھی بے آب زمیں پر
خوشبو ہو اگر تم تو بکھر کیوں نہیں جاتے

امیر قزلباش

خوشبو کی طرح آیا وہ تیز ہواؤں میں
مانگا تھا جسے ہم نے دن رات دعاؤں میں

بشیر بدر

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

پروین شاکر

چوری کہیں کھلے نہ نسیم بہار کی
خوشبو اڑا کے لائی ہے گیسوئے یار کی

آغا حشر کاشمیری

ایسا کھلا وہ پھول سا چہرہ، پھیلی سارے گھر خوشبو
خط کو چھپا کر پڑھنے والی راز چھپانا بھول گئی

خاور احمد

کانٹوں کی باڑ پھاند گیا تھا مگر شکیب
رستہ نہ مل سکا مجھے پھولوں کی باس میں

شکیب جلالی

سیرت نہ ہو تو عارض و رخسار سب غلط
خوشبو اڑی تو پھول فقط رنگ رہ گیا

ظہیر کاشمیری

کہیں تو ہوگی ملاقات اے چمن آرا
کہ میں بھی ہوں تری خوشبو کی طرح آوارہ

جمیل الدین عالی

دور رہ کر بھی ہے ہر سانس میں خوشبو تیری
میں مہک جاؤں جو تو پاس بلا لے مجھ کو

محسن احسان

دیکھتے ہی دیکھتے بدلا زمانے کا یہ رنگ
پھولوں میں خوشبو حسینوں میں وفاداری نہیں

یگانہ

پاتے ہیں کچھ گلاب چٹانوں میں پرورش
آتی ہے پتھروں سے بھی خوشبو کبھی کبھی

نامعلوم

بشر رازِ دلی کہہ کر ذلیل و خوار ہوتا ہے
نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بیکار ہوتا ہے

نامعلوم

ڈھونڈتے ہو تم خوشبو کاغذی گلابوں میں
پیار صرف ملتا ہے آج کل کتابوں میں

نامعلوم

خیال

میں خیال ہوں کسی اور کا، مجھے سوچتا کوئی اور ہے
سرِ آئینہ میرا عکس ہے، پسِ آئینہ کوئی اور ہے

سلیم کوثر

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

غالب

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

غالب

دارورسن

شیوۂ منصور تھا اہلِ نظر کو بھی گراں
پھر بھی کس حسرت سے سب دارورسن دیکھا کیے

اصغر گونڈوی

یہ منصبِ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں!

محمد علی خاں رشکی

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دارورسن کی آزمائش ہے

غالب

آج ہم دار پہ کھینچے گئے جن باتوں پر
کیا عجب کل وہ زمانے کو نصابوں میں ملیں

احمد فراز

ستونِ دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ
جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے

مجروح

جھوٹ کہتا ہوں اور بے کھٹکے
کون سچ کہہ کے دار پر لٹکے

عبداللطیف محمود

مجروح قافلے کی مرے داستاں ہے یہ
رہبر نے مل کے لوٹ لیا رہزن کے ساتھ

مجروح

دامن

دامن بھی دریدہ ہے، مرا ہاتھ بھی زخمی
شاخوں پہ گلابوں کے سوا اور بھی کچھ ہے

آنس معین

وہ چلے جھٹک کے دامن میرے دستِ ناتواں سے
اسی دن کا آسرا تھا مجھے مرگِ ناگہاں سے

بیدم وارثی

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

خواجہ میر درد

میرے دامن میں شراروں کے سوا کچھ بھی نہیں
آپ پھولوں کے خریدار نظر آتے ہیں

ساغر صدیقی

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

شیفتہ

پسِ مرگ میرے مزار پر جو دیا کسی نے جلا دیا
اسے آہ دامنِ باد نے سرِ شام ہی سے بجھا دیا

بہادر شاہ ظفر

دامن کشیدہ جاتے ہو میرے غبار سے
تقصیر ایسی کیا ہوئی اس خاکسار سے

لطیف دہلوی

شفق، دھنک، مہتاب، گھٹائیں، تارے، نغمے، بجلی، پھول
اس دامن میں کیا کیا کچھ ہے، وہ دامن ہاتھ آئے تو

عندلیب شادانی

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

غالب

کئی بار اس کا دامن بھر دیا حسنِ دو عالم سے
مگر دل ہے کہ اس کی خانہ ویرانی نہیں جاتی

فیض احمد فیض

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

کلیم عاجز

درد

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دل دوستاں رہے نہ رہے

امیر مینائی

زلف آوارہ، گریباں چاک، اے مستِ شباب
تیری صورت سے تجھے درد آشنا سمجھا تھا میں

تاثیر

درد سے واقف نہ تھے غم سے شناسائی نہ تھی
ہائے کیا دن تھے طبیعت جب کہیں آئی نہ تھی

جلیل مانک پوری

دردِ دل لکھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلاؤں
انگلیاں فگار اپنی، خامہ خوں چکاں اپنا

غالب

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

غالب

جن کی صدائے درد سے نیندیں حرام تھیں
نالے اب ان کے بند ہیں تو نے سنا نہیں

فراق

ایسا نہ ہو یہ درد بنے درد لادوا
ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کرسکو

نامعلوم

دستار

اے قاسمِ اشیاء تری تقسیم عجب ہے
دستار انہیں دی ہے جو سر ہی نہیں رکھتے

انور جمال

قاتل کو کوئی قتل کے آداب سکھائے
دستار کے ہوتے ہوئے سر کاٹ رہا ہے

پروین شاکر

آج اک پگڑی ہوئی تھی میکدے میں رہن مے
ذوق وہ تیری ہی دستار فضیلت ہو تو ہو

ذوق

دیکھتے کیوں ہو شکیب اتنی بلندی کی طرف
نہ اٹھایا کرو سر کہ دستار گرے

شکیب جلالی

چھپا لیتی ہے دستار فضیلت
کوئی الزام اگر آتا ہے سر پر

عابد ودود

میر صاحب زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامئے دستار

میر تقی میر

دشمن، دشمنی

دشمنی جو کرنی ہے، دوستی کا پردہ کیا
دوستی کے پردے میں دشمنی نہیں اچھی

تاجور نجیب آبادی

ہر چند داغ ایک ہی عیار ہے مگر
دشمن بھی تو چھٹے ہوئے سارے جہاں کے ہیں

داغ

دشمنوں کو بھی دوست کہتے ہیں
کتنے عالی دماغ ہیں ہم لوگ

ساغر صدیقی

ہم کہاں کے دانا تھے، کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

غالب

مجھ میں اور اُن میں، سبب کیا جو لڑائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

محمد امان نثار

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

نظیر اکبر آبادی

دعا

تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

اقبال

خوشبو کی طرح آیا وہ تیز ہواؤں میں
مانگا تھا جسے ہم نے دن رات دعاؤں میں

بشیر بدر

وہ سفید پھولوں سی اک دعا، مرے ساتھ ساتھ رہی سدا
یہ اس کا فیض ہے بارہا میں بکھر بکھر کے سنور گیا

بشیر بدر

ترے اختیار میں کیا نہیں، مجھے اس طرح سے نواز دے
یوں دعائیں میری قبول ہوں، مرے لب پہ کوئی دعا نہ ہو

بشیر بدر

وہ بڑا رحیم و کریم ہے مجھے یہ صفت بھی عطا کرے
تجھے بھولنے کی دعا کروں تو مری دعا میں اثر نہ ہو

بشیر بدر

اس قدر ظرف تو رکھتے ہیں زمانے والے
زندگی چھین کر جینے کی دعا دیتے ہیں

پروین شاکر

دعا دیں گے میرے بعد آنے والے میری وحشت کو
بہت کانٹے نکل آئے ہیں میرے ساتھ منزل سے

جلال لکھنوی

خوش بھی ہوا ہوں اپنی دعا کے اثر سے میں
دکھ بھی ہوا ہے حال تیرا خستہ دیکھ کر

جمال احسانی

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

محمد علی جوہر

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دِل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

حالی

میں خود راضی ہوں اپنی موت پر آمین کہنے کو
دعا کے واسطے لیکن وہ ظالم ہاتھ اٹھائے بھی

آغا حشر کاشمیری

ہمت بلند تھی مگر افتاد دیکھنا
چپ چاپ آج محو دعا ہو گیا ہوں میں

حفیظ جالندھری

ضعف سے اٹھتے نہیں دست دعا
اب ہماری شرم اس کے ہاتھ ہے

داغ

میں کسی کے دستِ طلب میں ہوں تو کسی کے حرفِ دعا میں ہوں
میں نصیب ہوں کسی اور کا مجھے مانگتا کوئی اور ہے

سلیم کوثر

لوٹ آئے ہم تو عرضِ دعا کے مقام سے
ہر شے تھی پست ان کی رضا کے مقام سے

سیف الدین سیف

پچھلے پہر اٹھ اٹھ کے نمازیں، ناک رگڑنی، سجدوں پہ سجدے
جو نہیں جائز اس کی دعائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

شاد عظیم آبادی

اس کو سب علم ہے شہزاد وہ سب جانتا ہے
کِس لئے ہاتھ اٹھاتے ہو دعا مانگتے ہو

شہزاد احمد

ادھر سے آ ہی گئے ہو صاحب تو ہم فقیروں سے عذر کیسا
یہاں بھی امشب قیام کر لو، دعائیں دے گا غریب خانہ

عدم

جو زہر پی چکا ہوں تمہیں نے مجھے دیا
اب تم تو زندگی کی دعائیں مجھے نہ دو

احمد فراز

مانگا کریں گے ہم بھی دعا ہجرِ یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

مومن

موت مانگی تھی خدائی تو نہیں مانگی تھی
لے دعا کر چکے اب ترکِ دعا کرتے ہیں

یگانہ

سنتے ہیں کہ مِل جاتی ہے ہر چیز دعا سے
اک روز تمہیں مانگ کے دیکھیں گے خدا سے

نامعلوم

دکھ

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
مرے دکھ کی دوا کرے کوئی

غالب

مانا ہے ہوا تیز مگر دکھ ہے تو یہ ہے
پروانے بھی اب شمع بجھانے میں لگے ہیں

مرتضیٰ برلاس

جب سفر سے لوٹ کر آئے تو کتنا دکھ ہوا
اُس پرانے بام پر وہ صورتِ زیبا نہ تھی

منیر نیازی

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

حالی

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اس کے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

حالی

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

حالی

جب اتنی بے وفائی پر دل اس کو پیار کرتا ہے
الٰہی وہ ستم گر باوفا ہوتا تو کیا ہوتا

آغا حشر

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

داغ

دل لے کے مفت، کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
الٹی شکایتیں ہوئیں، احسان تو گیا

داغ

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ وبیاں

میر درد

بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے
پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے

ذوق

چھانٹا وہ دِل کہ جس کی ازل میں نمود تھی
پسلی پھڑک اٹھی نظر انتخاب کی

ریاض خیرآبادی

ہمیشہ خونِ دل رویا ہوں میں لیکن سلیقے سے
نہ قطرہ آستیں پر ہے نہ دھبہ جیب وداماں پر

سائل دہلوی

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

سید سراج الدین سراج

ساقی گئی بہار، رہی دل میں اک ہوس
تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

سودا

تمہارے بعد نہ جانے کیا ہوا دل کو
کسی سے ربط بڑھانے کا حوصلہ نہ ہوا

سیف الدین سیف

ویران کیجیے کہ دلوں کو بسایئے
مے کش تمام آپ کے، مے خانہ آپ کا

شاد عظیم آبادی

دل

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دِل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

آتش

تم پاس نہیں ہو تو عجب حال ہے دل کا
یوں جیسے میں کچھ رکھ کے کہیں بھول گئی ہوں

ادا جعفری

اک دن وہ مل گئے تھے سرِ رہ گزر کہیں
پھر دل نے بیٹھنے نہ دیا عمر بھر کہیں

اشک رامپوری

پہلی نظر بھی آپ کی اف کس بلا کی تھی
ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دِل پر لیے ہوئے

اصغر گونڈوی

بنا لیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے

اصغر گونڈوی

دل میں کتنے عہد باندھے تھے بھلانے کے اسے
وہ ملا تو سب ارادے توڑنا اچھا لگا

امجد اسلام امجد

جب تلک تم تھے کشیدہ دل تھا شکووں سے بھرا
تم گلے سے مل گئے سارا گلہ جاتا رہا

امیر مینائی

اے جذبہ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آجائے
منزل کے لئے دو گام چلوں اور سامنے منزل آجائے

بہزاد لکھنوی

اے دل کی لگی چل یوں ہی سہی، چلتا ہوں کسی کی محفل میں
اس وقت مجھے چونکا دینا جب رنگ پہ محفل آجائے

بہزاد لکھنوی

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مہتاب رائے تاباں

سو بار چمن مہکا سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق دل کی وہی تنہائی

صوفی تبسم

کام آخر جذبۂ بے اختیار آہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا، ان کو پیار آہی گیا

جگر

نہ خوشی اچھی ہے اے دل نہ ملال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

جلیل مانک پوری

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

حالی

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اس کے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

حالی

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

حالی

جب اتنی بے وفائی پر دل اس کو پیار کرتا ہے
الٰہی وہ ستم گر باوفا ہوتا تو کیا ہوتا

آغا حشر

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

داغ

دل لے کے مفت، کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
الٹی شکایتیں ہوئیں، احسان تو گیا

داغ

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

میر درد

بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے
پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے

ذوق

چھانٹا وہ دِل کہ جس کی ازل میں نمود تھی
پسلی پھڑک اٹھی نظر انتخاب کی

ریاض خیرآبادی

ہمیشہ خونِ دل رویا ہوں میں لیکن سلیقے سے
نہ قطرہ آستیں پر ہے نہ دھبہ جیب و داماں پر

سائل دہلوی

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

سید سراج الدین سراج

ساقی گئی بہار، رہی دل میں اک ہوس
تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

سودا

تمہارے بعد نہ جانے کیا ہوا دل کو
کسی سے ربط بڑھانے کا حوصلہ نہ ہوا

سیف الدین سیف

ویران کیجیے کہ دلوں کو بسایئے
مے کش تمام آپ کے، مے خانہ آپ کا

شاد عظیم آبادی

آپ سے مل کے ہم نے کیا پایا
اپنے دل کا قرار کھو بیٹھے

شکیب جلالی

ذرا نہ موم ہوا پیار کی حرارت سے
چٹخ کے ٹوٹ گیا دل کا سخت ایسا تھا

شکیب جلالی

تو اگر برا نہ مانے تو جہانِ رنگ و بو میں
میں سکونِ دل کی خاطر کوئی ڈھونڈ لوں سہارا

شکیل بدایونی

کیا کیا شکایتیں ہیں دل بدنصیب سے
اک دن کسی کو دیکھ لیا تھا قریب سے

شکیل بدایونی

تم لوگ بھی غضب ہو کہ دل پر یہ اختیار
شب موم کرلیا، سحر آہن بنادیا

شیفتہ

میرے دل میں تھا کہ کہوں گا میں جو یہ دل پہ رنج و ملال تھا
وہ جب آگیا مرے سامنے تو نہ رنج تھا نہ ملال تھا

بہادر شاہ ظفر

کوئی کیوں کسی کا لبھائے دل، کوئی کیا کسی سے لگائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

بہادر شاہ ظفر

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے، میں وہ اک مشتِ غبار ہوں

بہادر شاہ ظفر

کتنے حسین لوگ تھے جو مل کے ایک بار
آنکھوں میں جذب ہوگئے دل میں سما گئے

عدم

ایک دن فرصت ملے تو ہم سے ملئے دو گھڑی
آپ سے کچھ مشورہ کرنا دل کے باب میں

عدم

اس طرح جل رہا ہے دل جیسے
پھول کی پنکھڑی کو آگ لگے

عدم

خدا کا پرتو کہیں پڑا ہے تو بس عقاید کی بستیوں پر
دلوں کی اقلیم پر تو ساقی نگار ہی حکمراں رہے ہیں

عدم

دل تھا، مسرتیں تھیں، جوانی تھی، شوق تھا
لیکن غم زمانہ ہر اک شے کو کھا گیا

عدم

مایوسیوں میں دل کا وہ عالم دمِ وداع
بجھتے ہوئے چراغ کی لو جیسے تھرتھرائے

عندلیب شادانی

تری محبت کا بھی یقیں ہے، تری وفا کو بھی مانتا ہوں
مگر مرا دل لرز رہا ہے میں اپنی قسمت کو جانتا ہوں

عندلیب شادانی

اللہ وہ قربت کے لمحے دل کا یہ عالم تھا جیسے
پھولوں کی جوانی میری ہے، تاروں کا تبسم میرا ہے

عندلیب شادانی

دیر لگی آنے میں تم کو، شکر ہے پھر بھی آئے تو
آس نے دل کا ساتھ نہ چھوڑا، ویسے ہم گھبرائے تو

عندلیب شادانی

دل سے اک دھواں اٹھا، آنکھ ڈبڈبا آئی
انتظار کی آخر کوئی انتہا بھی ہے

عندلیب شادانی

میں تو فریب کھا گیا، تو نہ فریب کھائیو
لاکھ کسی کی آنکھ سے دل کا لہو بہا کرے

عندلیب شادانی

جو یہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں خوش ہیں ہم تو
ان کے دل میں بھی مقدر کا گلہ ہوتا ہے

عندلیب شادانی

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

غالب

بوئے گل نالہ دل دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

غالب

دردِ دِل لکھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلاؤں
انگلیاں فگار اپنی، خامہ خوں چکاں اپنا

غالب

آتا ہے داغِ حسرتِ دِل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

غالب

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دِل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

غالب

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دِل میں سوا ہوتا ہے

غالب

جی ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت، کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

غالب

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دِل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

غالب

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دِل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

غالب

دیکھو تو دل فریبیِ اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی

غالب

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا

غالب

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

غالب

دل کا اجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں ہے بستے بستے بستی ہے

فانی بدایونی

میری ہوس کو عیشِ دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دکھا ہوا

فانی بدایونی

چل ساتھ کہ حسرت دلِ مرحوم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

فدوی عظیم آبادی

یہی دِل تھا کہ ترستا تھا مراسم کے لیے
اب یہی ترکِ تعلق کے بہانے مانگے

احمد فراز

کیا لوگ تھے کہ جان سے بڑھ کر عزیز تھے
اب دل سے محو نام بھی اکثر کے ہوگئے

احمد فراز

شام بھی تھی دھواں دھواں، حسن بھی تھا اداس اداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آکے رہ گئیں

فراق گورکھپوری

جھوٹے وعدوں سے دیا دل کو سہارا تم نے
خیر اتنا تو کیا پاس ہمارا تم نے

فضل کریم فضلی

جھوٹ ہی سہی وعدہ کیوں یقیں نہ کرلیتے
بات دل فریب ان کی دل امیدوار اپنا

فضل کریم فضلی

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبولی ہیں انگلیاں میں نے

فیض احمد فیض

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

فیض احمد فیض

جو دل سے کہا ہے جو دل سے سنا ہے
سب ان کو سنانے کے دن آرہے ہیں

فیض احمد فیض

نگاہ و دل کو قرار کیسا، نشاط و دل میں کمی کہاں کی
وہ جب ملے ہیں تو ان سے ہر بار کی ہے الفت نئے سرے سے

فیض احمد فیض

چاہا ہے اسی رنگ میں لیلیٰ وطن کو
تڑپا ہے اُسی طور سے دل اس کی لگن کو

فیض احمد فیض

نہ سوالِ وصل نہ عرضِ غم نہ حکایتیں نہ شکایتیں
ترے عہد میں دل زار کے سبھی اختیار چلے گئے

فیض احمد فیض

کچھ اپنے دل پر بھی زخم کھاؤ، مرے لہو کی بہار کب تک
مجھے سہارا بنانے والو میں لڑکھڑایا تو کیا کرو گے

قابل اجمیری

آپ کے ہوتے دنیا والے میرے دل پر راج کریں
آپ سے مجھ کو شکوہ ہے خود آپ نے بے پروائی کی

قتیل شفائی

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

عزیز الحسن مجذوب

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

مصحفی

تنہا نہ وہ ہاتھوں کی حنا لے گئی دل کو
مکھڑے کے چھپانے کی ادا لے گئی دل کو

مصحفی

یاں لعلِ فسوں ساز نے باتوں میں لگایا
دے پیچ اُدھر زلف اڑا لے گئی دل کو

مصحفی

ابھی تاروں سے کھیلو، چاندنی سے دل کو بہلاؤ
ملے گی اس کے چہرے کی سحر آہستہ آہستہ

مصطفےٰ زیدی

دِل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جُھکائی دیکھ لی

موجی رام موجی

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہوگئے لاچار جی سے ہم

مومن

ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے، کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے

مومن

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
نادان، پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

میر تقی میر

دل سے شوق رخ نکو نہ گیا
جھانکنا تاکنا کبھو نہ گیا

میر تقی میر

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

میر تقی میر

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

میر تقی میر

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے، سنو ہو، یہ بستی اجاڑ کر

میر تقی میر

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

میر تقی میر

دل تو میرا اداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

ناصر کاظمی

غیر سے کہتے ہیں وہ میرے ستانے کے لیے
ڈھونڈ لیں گے ہم بھی کوئی دل لگانے کے لیے

نظام رامپوری

چہرہ گلاب نہ تھا مگر دل کو بھا گیا
اچھا لگا کچھ اتنا کہ نیندیں اڑا گیا

نیلما سرور

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشقِ دل گیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

خواجہ وزیر

کسی کے ہو رہو اچھی نہیں یہ آزادی
کسی کی زلف سے لازم ہے سلسلہ دل کا

یگانہ

پیالہ خالی اٹھا کر لگا لیا منہ سے
کہ یاس کچھ تو نکل جائے حوصلہ دل کا

یگانہ

کعبہ نہیں کہ ساری خدائی کو دخل ہو
دل میں سوائے یار کسی کا گزر نہیں

یگانہ

مجھے دل کی خطا پر یاس شرمانا نہیں آتا
پرایا جرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا

یگانہ

ترے دل میں میری بھی یاد ہے
میرے پیار کی یہی بھول ہے

نامعلوم

برگِ حنا پہ جا کے لکھوں اپنے دل کی بات
شاید کہ رفتہ رفتہ لگے دل ربا کے ہاتھ

نامعلوم

مصروف ہیں جو آپ بنانے میں قاش کے
رکھ لیجیے گا دل بھی ہمارا تراش کے

نامعلوم

دل محوِ انتظار ہے آنکھیں ہیں فرشِ راہ
آؤ کبھی تو چاہنے والوں کے شہر میں

نامعلوم

دنیا

پھرتا ہوں کاش کوئی شناسا دکھائی دے
دنیا میں ایک شخص تو اپنا دکھائی دے

احسان دانش

ساری دنیا کے ہیں وہ میرے سوا
میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لیے

امیر مینائی

سو بار چمن مہکا، سو بار بہار آئی
دنیا کی وہی رونق، دل کی وہی تنہائی

صوفی تبسم

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

داغ

صد سالہ دورِ چرخ تھا، ساغر کا ایک دور
نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

ریاض خیرآبادی

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

ساحر لدھیانوی

شکیب اہلِ دنیا کے اطوار دیکھے
لبوں پر تبسم، دلوں میں ہے کینہ

شکیب جلالی

اک تری دید چھن گئی مجھ سے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں باقی

فیض احمد فیض

ضبط کا حوصلہ دنیا کو بھی بخشا ہوتا
تو نے بخشی تھی اگر جراتِ اظہار مجھے

مرتضیٰ برلاس

دنیا سے پاس جانے کو جی چاہتا نہیں
واللہ کیا کشش ہے اس اجڑے دیار میں

یگانہ

دوست، یار

دوستوں سے اس قدر صدمے ہوئے ہیں جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

آتش

تہذیبِ کہنہ میری شرافت پہ ناز کر
دھوکا دیا ہے دوست نے شرما رہا ہوں میں

جگن ناتھ آزاد

ہمیں بھی آپڑا دوستوں سے کام کچھ یعنی
ہمارے دوستوں کے بے وفا ہونے کا وقت آیا

ہری چند اختر

تری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

اقبال

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

امیر مینائی

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

انیس

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

انشا

دوستوں سے وفا کی امیدیں
کس زمانے کے آدمی تم ہو

بشیر بدر

مہرو ماہ و انجم کی بے نیازیاں توبہ
دوست ہو کہ دشمن ہو آدمی غنیمت ہے

زیڈ۔اے۔بخاری

دشمنی جو کرنی ہے دوستی کا پردہ کیا
دوستی کے پردے میں دشمنی نہیں اچھی

تاجور نجیب آبادی

مٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقتِ دفن
زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے

ثاقب لکھنوی

یار صادق ڈھونڈتے ہو تم جلیل
مشفق من یہ زمانہ اور ہے

جلیل مانک پوری

راضی ہیں ہم کہ دوست سے ہو دشمنی مگر
دشمن کو ہم سے دوست بنایا نہ جائے گا

حالی

آرہی ہے چاہ یوسف سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

حالی

دشمنوں نے تو دشمنی کی تھی
دوستوں نے بھی کیا کمی کی ہے

حبیب جالب

مطلب پرست دوست نہ آئے فریب میں
بیٹھا رہا لیے ہوئے دامِ وفا کو میں

حفیظ جالندھری

یہ محال تو نہیں تھا میرے دوست رہتے
مگر اے حفیظ مجھ سے نہ ہوئی زمانہ سازی

حفیظ جالندھری

دیکھا جو کھا کے تیر کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

حفیظ جالندھری

گو ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے
لیکن اتنا تو ہوا کچھ لوگ پہچانے گئے

خاطر غزنوی

ضد ہر اک بات میں نہیں اچھی
دوست کی دوست مان لیتے ہیں

داغ

شاعران کی دوستی کا اب بھی دم بھرتے ہیں آپ
ٹھوکریں کھا کر تو سنتے ہیں سنبھل جاتے ہیں لوگ

حمایت علی شاعر

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمیں بھی مل نہ سکی کوئے یار میں

بہادر شاہ ظفر

یاروں نے دوستی کی ہم نے خلوص برتا
کچھ دور ہو گئے وہ، کچھ دور ہو گئے ہم

عابد علی عابد

دشمنوں کی دوستی پر آ گیا شاید یقیں
سرحدوں کے سب محافظ بستیوں میں آ گئے

عارف شفیق

اے عدم ہر گناہ کر لیکن
دوستوں سے ریا کی بات نہ کر

عدم

انقطاعِ رسم و راہِ دوستی سے اے عدم
اچھا ہوا اک بے وفا کی بدظنی جاتی رہی

عدم

روٹھے ہوئے یاروں سے مرا ذکر نہ کرنا
بے فیض بہاروں سے مرا ذکر نہ کرنا

عدم

چھوٹی چھوٹی رنجشیں اک حادثہ سا بن گئیں
چھوٹی چھوٹی رنجشوں سے دوستی جاتی رہی

عدم

کیسے کیسے دوست تھے جو بادلِ ناخواستہ
دوستوں کو ایک لافانی جدائی دے گئے

عدم

ملاقاتیں مسلسل ہوں تو دلچسپی نہیں رہتی
یہ بے ترتیب یارانے حسیں معلوم ہوتے ہیں

عدم

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا

غالب

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

غالب

یارو مجھے مصلوب کرو تم کہ مرے بعد
شاید کہ تمہارا قد و قامت نکل آئے

احمد فراز

وہ میرا دوست ہے، سارے جہاں کو ہے معلوم
دغا کرے وہ کسی سے شرم آئے مجھے

قتیل شفائی

خیالِ یار، ترے سلسلے، نشوں کی رتیں
جمالِ یار، تری جھلکیاں گلاب کے پھول

مجید امجد

دوست کرتے ہیں ملامت، غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

مومن

اے دوست ہم نے ترکِ تعلق کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی

ناصر کاظمی

اے دوست راہِ زیست میں چل احتیاط سے
گرتے کو اس جہاں میں کوئی تھامتا نہیں

سکندر علی وجد

کب خبر تھی انقلابِ آسماں ہو جائے گا
دوست کا ملنا نصیبِ دشمناں ہوجائے گا

خواجہ وزیر

کیا قتل اس نے غیروں کو موئے ہم رشک کے مارے
اجل بھی دوستو آئی نصیبِ دشمناں ہوکر

خواجہ وزیر

وہ اور ہوں گے جنہیں دشمنوں سے شکوہ ہے
ہمیں تو دوست ہمارے فریب دیتے ہیں

نامعلوم

جن کو سمجھ رہے تھے ہم دوستی کے پھول
ہاتھوں میں چبھ گئے ہیں وہی خار کی طرح

نامعلوم

دھوپ اور چھاؤں

روکے گی درختوں کی گھنی چھاؤں سر راہ
آواز سی آئے گی ٹھہر کیوں نہیں جاتے

امیر قزلباش

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے، کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

حفیظ جونپوری

زمانہ دھوپ چھاؤں ہے سدا یکساں نہیں رہتا
وہی دانا ہے جو اس بات کو پیشِ نظر رکھے

مرتضٰی برلاس

کیسی اب ان کی دھوپ میں جلتی ہیں تربتیں
سایہ میں یاں پلے تھے جو ناز ونعم کے ساتھ

مصحفی

اپنی تو وہ مثال ہے جیسے کوئی درخت
دنیا کو چھاؤں بخش کے خود دھوپ میں جلے

نامعلوم

رات

کئی سال سے کچھ خبر ہی نہیں
کہاں دن گزارا کہاں رات کی

بشیر بدر

آج کی رات وہ آئے ہیں بڑی دیر کے بعد
آج کی رات بڑی دیر کے بعد آئی ہے

سیف الدین سیف

ہجر کی رات کاٹنے والے
کیا کرے گا اگر سحر نہ ہوئی

میرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

راز، رازداں

ایسا کہ بت کدے کا جسے راز ہو سپرد

اہلِ حرم میں کوئی نہ آیا نظر مجھے

اصغر گونڈوی

سبب ہر ایک مجھ سے پوچھتا ہے میرے رونے کا

الٰہی ساری دنیا کو میں کیوں کر رازداں کرلوں

تاجور نجیب آبادی

تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط

الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا

حالی

آگے بڑھے نہ قصہ عشق بتاں سے ہم

سب کچھ کہا مگر نہ کھلے رازداں سے ہم

حالی

راز کھل جائے نہ ساقی کی تہی دستی کا

جام خالی ہی سہی ہونٹوں سے لگائے رکھنا

خاموش غازی پوری

افشائے رازِ عشق میں گو ذلتیں ہوئیں

لیکن اسے جتا تو دیا، جان تو گیا

داغ

شکریہ پرسش غم کا مگر اصرار نہ کر

پوچھنے والے یہ تیرا ہی کہیں راز نہ ہو

عندلیب شادانی

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

غالب

راستہ، رہگزر

گو حرم کے راستے سے وہ پہنچ گئے خدا تک
تیری رہگزر سے جاتے تو کچھ اور بات ہوتی

آغا حشر

انہیں راستوں نے جن پر کبھی تم تھے ساتھ میرے
مجھے روک روک پوچھا ترا ہم سفر کہاں ہے

بشیر بدر

ہم بھی دریا ہیں ہمیں اپنا ہنر معلوم ہے
جس طرف بھی چل پڑیں گے راستہ ہو جائے گا

بشیر بدر

زخموں سے چور قافلہ، پرخار راستے
اس میں ترا قصور تو اے راہبر نہیں؟

تاثیر

کب نکلتا ہے کوئی دل میں اتر جانے کے بعد
اس گلی کے دوسری جانب کوئی رستہ نہیں

خورشید رضوی

کبھی لوٹ آئیں تو پوچھنا نہیں، دیکھنا انہیں غور سے
جنہیں راستے میں خبر ہوئی کہ یہ راستہ کوئی اور ہے

سلیم کوثر

شکیب اپنے تعارف کے لیے یہ بات کافی ہے
ہم اس سے بچ کے چلتے ہیں جو رستہ عام ہو جائے

شکیب جلالی

وہی کارواں، وہی راستے، وہی زندگی، وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں

شکیل بدایونی

دیوار کیا گری مرے خستہ مکان کی
لوگوں نے میرے صحن میں رستے بنا لیے

سبط علی صبا

جن رہگزاروں میں میرے ساتھ تھے تم بھی
ان رہگزاروں سے میرا ذکر نہ کرنا

عدم

ہلکے سے اختلاف سے راہیں بدل گئیں
تھوڑا سا فاصلہ تھا مگر کیا طویل تھا

عدم

راستے بھر کی رفاقت بھی بہت ہے جانِ من
ورنہ منزل پر پہنچ کر کون کس کا آشنا

احمد فراز

ہزار بار زمانہ ادھر سے گزرا ہے
نئی نئی سی ہے کچھ تیری رہگزر پھر بھی

فراق گورکھپوری

مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

فیض احمد فیض

خود بڑھ کے روک دیتا ہے وہ راستہ مرا
پھر پوچھتا ہے راہ کی دیوار کون ہے

کمار پاشی

انہی پتھروں پہ چل کر اگر آسکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

مصطفیٰ زیدی

رسوا، رسوائی

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

پروین شاکر

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو
راست گوئی میں ہے رُسوائی بہت

حالی

میں اسے شہرت کہوں یا اپنی رسوائی کہوں
مجھ سے پہلے اس گلی میں میرے افسانے گئے

خاطر غزنوی

میں شعورِ ضبط کے آداب سے واقف تو تھا
ان کی شان دلبری نے مجھ کو رسوا کردیا

شعیب بن عزیز

وہ ہم سے کنارہ کیوں نہ کریں، سچ ہے رسوائے عام ہیں ہم
اے کاش کوئی ان سے پوچھے، کیا بات ہے کیوں بدنام ہیں ہم

عندلیب شادانی

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

غالب

رشک

ہے رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

محمد علی جوہر

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

غالب

جو یہ کہے کہ ”ریختہ کیوں کر ہو رشکِ فارسی؟“
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

غالب

چھوڑا نہ رشک نے کہ تیرے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

غالب

رند

کامل اس فرقۂ زہّاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

صدرالدین آزردہ

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

ذوق

اے پیرحرم اے پیرِ حرم یہ چھیڑ پرانے رندوں سے
کیا تیرا یہ منشا تو نہیں ہم لوٹ چلیں میخانے کو

قتیل شفائی

روٹھنا

اب تو خاموش ہو بیخود کہ وہ پھر روٹھ گئے
تجھ کو کم بخت ستا کر انہیں کیا ملتا ہے

بیخود دہلوی

یہ جو ہے حکم مرے پاس نہ آئے کوئی
اس لیے روٹھ رہے ہیں کہ منائے کوئی

داغ

صبح سے شام ہوئی روٹھا ہوا بیٹھا ہوں
کوئی ایسا نہیں آ کر جو منا لے مجھ کو

محسن احسان

رہنما، رہبر، رہزن

یہ مرا مڑ مڑ کے دیکھ لینا بھی ہے مری شان رہبرانہ
قدم میں کس طرح تیز کر دوں کہ میرے پیچھے ہے اک زمانہ

جمیل مظہری

تیز رو چلتے ہیں ساغر قافلے اس نام سے
رہنماؤں سے ہمیشہ رہزن اچھا رہا

ساغر صدیقی

اس فاصلوں کے دشت میں رہبر وہی بنے
جس کی نگاہ دیکھ لے صدیوں کے پار بھی

شکیب جلالی

رہرو بھی خود، رفیق بھی خود، راہزن بھی خود
اک میر قافلہ سبھی القاب لے گیا

احمد فراز

مدت کے بعد آئے ہیں اے رہبر جہاں
میرا خیال ہے کہ چلے تھے وہیں سے ہم

نامعلوم

زاہد

زاہد نے میرا حاصل ایماں نہیں دیکھا
رُخ پر تیری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا

اصغر گونڈوی

زاہد ملے گی مزد نہ محنت کیے بغیر
یہ سوئے ظن ہے اس کی کریمی کے باب میں

مرزا بسم اللہ بیگ بسمل دہلوی

لطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

داغ

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

ذوق

گر ہو شراب و خلوت و معشوقِ خوب رُو
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

اشرف علی فغاں

زبان

دعویٰ زباں کا لکھنؤ والوں کے سامنے
اظہارِ بوئے مشک غزالوں کے سامنے

امیر مینائی

نظر آتے تھے تم تو بے زباں سے
یہ باتیں آگئیں تم کو کہاں سے

صوفی تبسم

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

داغ

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

داغ

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

غالب

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

غالب

بات پر واں زبان کٹتی ہے
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

غالب

تم گالیاں جو دو تو میں چٹکی بھی کیا نہ لوں
پیارے کسی کا ہاتھ کسی کی زباں چلے

حکیم ثناء اللہ خاں فراق

ہم عرض وفا بھی کر نہ سکے، کچھ کہہ نہ سکے کچھ سن نہ سکے
یاں ہم نے زباں ہی کھولی تھی، واں آنکھ جھکی شرما بھی گئے

مجاز

ہم قفس! صیاد کی رسمِ زباں بندی کی خیر
بے زبانوں کو بھی اندازِ کلام آ ہی گیا

مجروح سلطان پوری

جو مجھ کو عمر بھر مجبورِ ضبطِ شوق رکھنا تھا
تو آخر کس لیے تو نے مرے منہ میں زباں رکھ دی

نامعلوم

زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی یا رب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پریشاں نکلا

غالب

لگا کے زخم بدن پر قبائیں دیتا ہے
یہ شہریار بھی کیا کیا سزائیں دیتا ہے

احمد فراز

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

مصحفی

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

غالب

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زُلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کئے ہوئے

غالب

یاں لعلِ فسوں ساز نے باتوں میں لگایا
دے پیچ اُدھر زلف اڑا لے گئی دل کو

مصحفی

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

مومن

خیال زلف بتاں میں نصیر پیٹا کر
گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

شاہ نصیرالدین نصیر

خواہ مخواہ چھیڑتی رہتی ہیں یہ رخساروں کو
تم نے زلفوں کو یونہی سر پہ چڑھا رکھا ہے

نامعلوم

پوچھا جوان سے چاند نکلتا ہے کس طرح
زلفوں کو رُخ پہ ڈال کے جھٹکا دیا کہ یوں

نامعلوم

نہ زلفِ پریشاں سنوارو خدارا
تمہیں کون دے گا پتہ پھر ہمارا

نامعلوم

زمانہ

طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

آتش

اختر یہ غم کے دن بھی گزر جائیں گے یونہی
جیسے وہ راحتوں کے زمانے گزر گئے

اختر انصاری

تری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

اقبال

اس کو ناقدریٔ عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر چکے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

برج نرائن چکبست

دوستوں سے وفا کی امیدیں
کس زمانے کے آدمی تم ہو

بشیر بدر

ہم سا نہ کوئی اور زمانے میں آئے گا
تم ڈھونڈتے پھروگے ہماری مثال کو

تبسم رضوی

مدعی! دیکھ، ہمیں چشم حقارت سے نہ دیکھ
کل ہمارا تھا جو ہے آج زمانہ تیرا

داغ

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

ثاقب لکھنوی

ہیں طائران چمن قید آشیانے میں
مگر یہ بات کہے کون اس زمانے میں

ذوالفقار بخاری

محبت ترک کی میں نے گریباں سی لیا میں نے
زمانے اب تو خوش ہو زہر یہ بھی پی لیا میں نے

ساحر لدھیانوی

کہہ تو رہا ہوں دیر سے میں ان کو اے عدم
کرلو یہیں قیام زمانہ خراب ہے

عدم

میں ہنوز اپنے دل کو یہ فریب دے رہا ہوں
کہ پھر آئے گا پلٹ کر ترے لطف کا زمانہ

عندلیب شادانی

یا رب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

غالب

آج ہم دار پہ کھینچے گئے جن باتوں پر
کیا عجب کل وہ زمانے کو نصابوں میں ملیں

احمد فراز

چلو اچھا ہوا کام آگئی دیوانگی اپنی
وگرنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے

قتیل شفائی

کبھی کہا نہ کسی سے ترے فسانے کو
نہ جانے کیسے خبر ہوگئی زمانے کو

قمر جلالوی

دبا کے قبر میں سب چل دیے نہ دعا نہ سلام
ذرا سی دیر میں کیا ہوگیا زمانے کو

قمر جلالوی

میر صاحب زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامئے دستار

میر تقی میر

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

شاہ دین ہمایوں

یکساں کبھی کسی کی نہ گزری زمانے میں
یادش بخیر بیٹھے تھے کل آشیانے میں

یگانہ

زندگی، موت

کون سا جھونکا بجھا دے گا کسے معلوم ہے
اک شمع روشن ہے ہوا کے سامنے

آباد عظیم آبادی

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہو زندگی دشوار ہو جائے

اصغر گونڈوی

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

بشیر بدر

زندگی کہتے ہیں کس کو موت کس کا نام ہے
مہربانی آپ کی نامہربانی آپ کی

بہزاد لکھنوی

وہ چلے جھٹک کے دامن میرے دستِ ناتواں سے
اسی دن کا آسرا تھا مجھے مرگِ ناگہاں سے

بیدم وارثی

مٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقتِ دفن
زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے

ثاقب لکھنوی

یہی زندگی مصیبت، یہی زندگی مسرت
یہی زندگی حقیقت، یہی زندگی فسانہ

معین احسن جذبی

ہے رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

محمد علی جوہر

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب!
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

برج نرائن چکبست

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجیے گا
یہ راز ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجیے گا

حالی

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

حالی

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

حیرت الہ آبادی

خبر سن کر مرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

داغ

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

خواجہ میر درد

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

درد

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

ذوق

زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

ساغر صدیقی

فکر معاش، عشق بتاں، یاد رفتگاں
دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے

سودا

جہاں تک ہو بسر کر زندگی عالی خیالوں میں
بنا دیتا ہے کامل بیٹھنا صاحب کمالوں میں

شاد عظیم آبادی

اس مرحلے کو موت بھی کہتے ہیں دوستو
اک پل میں ٹوٹ جائیں جہاں عمر بھر کے ساتھ

شکیب جلالی

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

شوق لکھنوی

ہم زندگی کی جنگ میں ہارے ضرور ہیں
لیکن کسی محاذ سے پسپا نہیں ہوئے

شوکت واسطی

غریبِ شہر تو فاقے سے مرگیا عارف
امیرِ شہر نے ہیرے سے خودکشی کرلی

عارف شفیق

زندگی کا راستہ کاٹنا تو تھا عدم
جاگ اٹھے تو چل دیے تھک گئے تو سولیے

عدم

بڑی سرد و بے کیف ہے زندگی
ارادہ ہے کچھ وارداتیں کریں

عدم

موت اگر معقول مل سکتی ہے اس بازار میں
زندگی کا ساز و ساماں بیچنے والا ہوں میں

عدم

اک ناتمام خواب مکمل نہ ہو سکا
آنے کو زندگی میں بہت انقلاب آئے

عندلیب شادانی

مجھ کو بھی اے دوست تیری بے نیازی کے طفیل
زندگی کی تلخیوں پر مسکرانا آگیا

عندلیب شادانی

گزاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں
انہی کی یاد مری زندگی ہے

عندلیب شادانی

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

غالب

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے

غالب

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

غالب

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

غالب

مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی
زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

غالب

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

غالب

تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

غالب

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

فانی بدایونی

موت آنے تک نہ آئے، اب جو آئے تو ہائے
زندگی مشکل ہی تھی، مرنا بھی مشکل ہو گیا

فانی بدایونی

جو زہر پی چکا ہوں تمہیں نے مجھے دیا
اب تم تو زندگی کی دعائیں مجھے نہ دو

احمد فراز

فکرِ معاش، عشقِ بتاں، یادِ رفتگاں
اس زندگی اب کوئی کیا کیا کیا کرے

اشرف علی فغاں

وہ سر کھولے ہماری لاش پر دیوانہ وار آئے
اسی کو موت کہتے ہیں تو یارب بار بار آئے

قمر جلالوی

یہ رکے رکے سے آنسو، یہ دبی دبی سی آہیں
یونہی کب تلک خدایا، غمِ زندگی نباہیں

مجروح

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

مومن

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

ناسخ

مجھے اور زندگی دے کہ ہے داستاں ادھوری
میری موت سے نہ ہوگی مرے غم کی ترجمانی

احمد ندیم قاسمی

زندگی میں دو ہی گھڑیاں مجھ پہ گزری ہیں کٹھن
اک ترے آنے سے پہلے اک ترے جانے کے بعد

وحید الہ آبادی

موت بھی مل سکی نہ منہ مانگی
اور کیا التجا کرے کوئی

یگانہ

موت مانگی تھی خدائی تو نہیں مانگی تھی
لے دعا کر چکے اب ترکِ دعا کرتے ہیں

یگانہ

کہتے ہیں اپنے فعل کا مختار ہے بشر
اپنی تو موت تک نہ ہوئی اختیار میں

یگانہ

زہر

محبت ترک کی میں نے گریباں سی لیا میں نے
زمانے اب تو خوش ہو زہر یہ بھی پی لیا میں نے

ساحر لدھیانوی

ڈس لیں تو ان کے زہر کا آسان ہے اتار
یہ سانپ آستین کے پالے ہوئے نہیں

شکیب جلالی

اے کاش میں اس شب مر جاتا، جب اس نے کہا تھا رو رو کر
یہ زہر کا ساغر تم کیوں پیو، لاؤ تو اسے میں پی جاؤں

عدم

جو زہر پی چکا ہوں تمہیں نے مجھے دیا
اب تم تو زندگی کی دعائیں مجھے نہ دو

احمد فراز

بادہ پھر بادہ ہے، میں زہر بھی پی جاؤں قتیل
شرط یہ ہے کوئی باہوں میں سنبھالے مجھ کو

قتیل شفائی

سقراط نے زہر پی لیا تھا
ہم نے جینے کے دکھ سہے ہیں

احمد ندیم قاسمی

ساحل، کنارہ

یہ کناروں سے کھیلنے والے
ڈوب جائیں تو کیا تماشا ہو

ساغر صدیقی

اے موجِ بلا اُن کو بھی ذرا دو چار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفاں کا نظارہ کرتے ہیں

معین احسن جذبی

جب کشتی ثابت و سالم تھی ساحل کی تمنا کس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے

معین احسن جذبی

میں حیرت و حسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم

شاد عظیم آبادی

ملاحوں نے ساحل ساحل موجوں کی توہین تو کر دی
لیکن پھر بھی کوئی بھنور تک جانے کو تیار نہیں ہے

قتیل شفائی

پھر سے وہی سیلابِ حوادث جانے بھی دو ساحل والو
یا اس بار سفینہ ڈوبا یا اب کے منجدھار نہیں ہے

قتیل شفائی

سادہ، سادگی

ہے جوانی خود جوانی کا سنگار
سادگی گہنا ہے اس سن کے لیے

امیر مینائی

کیجیے کیا حالی نہ کیجیے سادگی گر اختیار
بولنا آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

حالی

جب کوئی پوچھنے آتا ہے ترے بارے میں
اتنا سادہ ہوں کہ ہر بات بتا دیتا ہوں

مقصود عامر

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

غالب

کوئی سادہ ہی اس کو سادہ کہے
ہمیں تو لگے ہے وہ عیار سا

میر تقی میر

کتنی عجیب شے ہے محبت کی سادگی
دنیا سے کر رہا ہوں تمہاری شکایتیں

نامعلوم

ساغر

آنکھ تھی ساقی کی جانب، ہاتھ میں جامِ تہی
مے تو قسمت میں کہاں، اشکوں نے ساغر بھر دیا

آرزو

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

غالب

دینا وہ اس کا ساغرِ مے یاد ہے نظام
منہ پھیر کر اُدھر کو اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ

نظام رامپوری

سایہ، سائے

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی، نہ جاننا اس کو غیر ہرگز
جو اپنا سایہ بھی ہو تو اس کو تصور اپنا نہ کیجیے گا

حالی

اس جہاں میں تو اپنا سایہ بھی
روشنی ہو تو ساتھ چلتا ہے

حمایت علی شاعر

سایہ طلب گئے جدھر، بول اٹھے وہیں شجر
آئے ہو اب مسافرو، جب ہمیں دھوپ کھا گئی

محشر بدایونی

کسی کا کب کوئی روز سیاہ میں ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا انساں سے رہتا ہے

امام بخش ناسخ

ستارہ

کیا مرے حال پہ سچ مچ انہیں غم تھا قاصد
تو نے دیکھا تھا ستارہ سرِ مژگاں کوئی

اصغر گونڈوی

جو مجھ پہ گزری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم
چمک رہا ہے مژہ پر ستارۂ سحری

اصغر گونڈوی

بنا گوش میں اس کے الماس پارہ
فروزندہ جیسے شفق میں ستارہ

عندلیب شادانی

ستم

جب اتنی بے وفائی پر دل اس کو پیار کرتا ہے
الٰہی وہ ستم گر باوفا ہوتا تو کیا ہوتا

آغا حشر

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ "ہم ستم گر ہیں"
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

غالب

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

غالب

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

غالب

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

منولال منا لکھنوی

کام اس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں
لیوے نہ کوئی نام ستم گر کہے بغیر

غالب

سخن

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

حسرت موہانی

ان دنوں گرچہ دکن میں ہے بڑی قدرِ سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

ذوق

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

غالب

کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن
جانوں کسی کے دل کی میں کیوں کر کہے بغیر

غالب

بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
لیکن عیارِ طبع خریدار دیکھ کر

غالب

مجاز اب میرے شعروں پر وہی تنقید کرتے ہیں
جو کل تک سیکھنے آتے تھے اندازِ سخن مجھ سے

مجاز جے پوری

سر

میں انا کا دیوتا، کیا سر جھکانے آؤں گا
تم نے کیوں سوچا کہ میں تم کو منانے آؤں گا

حسن نثار

پوچھو جنابِ داغ کی ہم سے شرارتیں
کیا سر جھکائے بیٹھے ہیں حضرت غریب سے

داغ

ہمارے شہر میں سب سر جھکا کے چلتے ہیں
جو سر کٹانے پہ راضی ہو سر اٹھا کے چلے

شکیل احمد ضیا

سفر، مسافر

سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے
آتش

درو دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں
واجد علی اختر

مرے ساتھ چلنے والے تجھے کیا ملا سفر میں
وہی دکھ بھری زمیں ہے وہی غم کا آسماں ہے
بشیر بدر

یہ سفر بھی کتنا طویل ہے یہاں وقت کتنا قلیل ہے
کہاں لوٹ کر کوئی آئے گا جو گزر گیا سو گزر گیا
بشیر بدر

تم نے تو تھک کے دشت میں خیمے لگا لیے
تنہا کٹے کسی کا سفر تم کو اس سے کیا
پروین شاکر

بات صرف اتنی ہے زندگی کی راہوں میں
ساتھ چلنے والوں کو ہم سفر نہیں کہتے
غلام ربانی تاباں

فضائے کنج چمن میں ہمیں تلاش نہ کر
مسافروں کے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں
سیف الدین سیف

پہنچے ہیں جو اپنی منزل پر ان کو تو نہیں کچھ نازِ سفر
چلنے کا جنہیں مقدور نہیں رفتار کی باتیں کرتے ہیں
شکیل بدایونی

مجھ سے آگے ہیں میرے ساتھ نکلنے والے
اک یہی بات مجھے گرمِ سفر رکھتی ہے
ظفر اقبال

رَفاقتوں سے مَرا ہوں مَسافتوں سے نہیں
سفر وہی تھے مگر ہم سفر نہ تھے ایسے
احمد فراز

نیرنگیٔ سیاستِ دوراں تو دیکھیے
منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے
محسن بھوپالی

جب سفر سے لوٹ کر آئے تو کتنا دکھ ہوا
اُس پرانے بام پر وہ صورتِ زیبا نہ تھی
منیر نیازی

رودادِ سفر نہ چھیڑ ناصر
پھر اشک نہ تھم سکیں گے میرے
ناصر کاظمی

سفر ہے دشوار، خواب کب تک، بہت دور منزل عدم ہے
نسیم جاگو، کمر کو باندھو، اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

دیا شنکر نسیم

شباب، جوانی

خوار ہیں یوں مرے شباب کے دن
جیسے جاڑوں کی چاندنی راتیں

اختر انصاری

اس کے عہدِ شباب میں جینا
جینے والو تمہیں ہوا کیا ہے

اختر شیرانی

شباب آیا کسی بت پر فدا ہونے کا وقت آیا
مری دنیا میں بندے کے خدا ہونے کا وقت آیا

ہری چند اختر

مستِ شباب وہ ہیں میں سرشارِ عشق ہوں
میری خبر انہیں ہے نہ ان کی خبر مجھے

اصغر گونڈوی

جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

انیس

توبہ تو ہم بھی کرلیں ابھی شیخ جی مگر
نبھتی ہمیں نظر نہیں آتی شباب میں

بسمل دہلوی

پیری میں توبہ کرکے وہاں کے اڑاؤ عیش
یاں کے تو عیش اڑا چکے، بسمل شباب میں

بسمل دہلوی

یوں دن مرے شباب کا چڑھتے ہی ڈھل گیا
جھونکا تھا اک ہوا کا کہ سن سے نکل گیا

بیدل شاہجہانپوری

عہد شباب چشم زدن میں گزر گیا
جھونکا ہوا کا تھا ادھر آیا ادھر گیا

جلیل مانک پوری

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

میر حسن

جوانی میں عدم کے واسطے سامان کر غافل
مسافر شب سے اٹھتے ہیں جو جانا دور ہوتا ہے

آغا حشر کاشمیری

ندامت ہوئی حشر میں جن کے بدلے
جوانی کی دو چار نادانیاں ہیں

حفیظ

ہر ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی
اف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

داغ

چھلکائیں بھر کے لاؤ گلابی شراب کی
تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی

ریاض خیرآبادی

کیوں جوانی آئی دو دن کے لئے
دن گنے جاتے تھے اس دن کے لیے

ریاض خیرآبادی

ہر چیز پر بہار تھی ہر شے پہ حسن تھا
دنیا جوان تھی مرے عہدِ شباب میں

سیماب اکبرآبادی

بدلی وہ وضع، طور سے بے طور ہوگئے
تم تو شباب آتے ہی کچھ اور ہوگئے

شادعظیم آبادی

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا
بات پہنچی تری جوانی تک

فانی بدایونی

ہم ہیں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو
جان دینے کو ہیں موجود کوئی بات تو ہو

نامعلوم

شبِ مہتاب

زلفیں بکھیر دے کہ زمانے کو علم ہو
ظلمت حسین تر ہے شبِ ماہتاب سے

عدم

میں آہ کر کے اپنے خیالوں میں کھو گیا
کچھ ذکر تھا بہار و شبِ ماہتاب کا

عندلیب شادانی

غالب چھٹی شراب پہ اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

غالب

شراب، مے

غم ہائے زندگی کا مداوا نہیں شراب
یہ چیز بے اثر ہے اسے پی چکا ہوں میں

جون ایلیا

یہاں لباس کی قیمت ہے آدمی کی نہیں
مجھے گلاس بڑا دے شراب کم کر دے

بشیر بدر

زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر
یا وہ جگہ بتا دے جہاں پر خدا نہ ہو

داغ

دیکھا کیے وہ مست نگاہوں سے بار بار
جب تک شراب آئے کئی دور ہو گئے

شاد عظیم آبادی

کسی کے آتے ہی ساقی کے ایسے ہوش اڑے
شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

سید ناظر حسین ناظم

شرم، حیا

دیکھ کر جھجکی مجھے پھر ایسی شرمائی کہ بس
یہ ادا اس کی مجھے اتنی پسند آئی کہ بس

امیر الاسلام ہاشمی

ملا کر خاک میں بھی ہائے شرم ان کی نہیں جاتی
نگہ نیچی کیے وہ سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں

امیر مینائی

تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط
الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا

حالی

وہ آئینے میں دیکھ رہے تھے بہارِ حسن
آیا میرا خیال تو شرما کے رہ گئے

حسرت موہانی

او وفا ناآشنا کب تک سنوں تیرا گلہ
بے وفا کہتے ہیں تجھ کو اور شرماتا ہوں میں

آغا حشر کاشمیری

لے کے خود پیر مغاں ہاتھ میں مینا آیا
مے کشو شرم کہ اس پر بھی نہ پینا آیا

شاد عظیم آبادی

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم
ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے

غالب

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا، وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بے کسی کی شرم

غالب

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا
یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

غالب

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

غالب

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

غالب

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

غالب

وہ میرا دوست ہے، سارے جہاں کو ہے معلوم
دغا کرے وہ کسی سے شرم آئے مجھے

قتیل شفائی

ہم عرض وفا بھی کر نہ سکے، کچھ کہہ نہ سکے کچھ سن نہ سکے
یاں ہم نے زباں ہی کھولی تھی، واں آنکھ جھکی شرما بھی گئے

مجاز

نام میرا سنتے ہی شرما گئے
تم نے تو خود آپ کو رسوا کیا

نسیم دہلوی

گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے
موت آئی ہے سر چڑھتا ہے دیوانہ ہوا ہے

آتش

ظلم کی اٹھتی ہوئی موج کو حیرت سے نہ دیکھ
شمع کی آخری لو تیز ہوا کرتی ہے

باقی صدیقی

مجھ کو بیخود نہ سمجھ خوب سمجھتا ہوں تجھے
شمع میرے ہی جلانے کو تو ٹھنڈی کر دی

بیخود دہلوی

رخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

داغ

شمع کی مانند ہم اس بزم میں
چشم نم آئے تھے، دامن تر چلے

درد

اے شمع تیری عمرِ طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے

ذوق

پروانہ گرد شمع کے شب دو گھڑی رہا
پھر دیکھی اس کی خاک پڑی دو گھڑی کے بعد

ذوق

جو جلاتا ہے کسی کو خود بھی جلتا ہے ضرور
شمع بھی جلتی رہی پروانہ جل جانے کے بعد

سعید بریلوی

اپنی شورش کا کیا ہے شمع نے اچھا علاج
رکھ لیے ہیں دل میں پروانوں کے پَر ٹوٹے ہوئے!

آغا شاعر

شمع کی مانندِ اہلِ انجمن سے بے نیاز
اکثر اپنی آگ میں چپ چاپ جل جاتے ہیں لوگ

حمایت علی شاعر

کسی جسم کو اگر چھولیا خیال میں بھی
تو پور پور مری مثلِ شمع جلنے لگی

شکیب جلالی

ہم ہیں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو
جان دینے کو ہیں موجود کوئی بات تو ہو

صفی لکھنوی

پڑھنے فاتحہ کوئی آئے کیوں، کوئی چار پھول چڑھائے کیوں
کوئی آ کے شمع جلائے کیوں کہ میں بے کسی کا مزار ہوں

بہادر شاہ ظفر

شمع و پروانہ ہیں یک جا، گل و بلبل ہیں بہم
رحم اے دوست، خدارا مری تنہائی پر

عندلیب شادانی

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لیے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

حکیم آغا جان عیش

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

غالب

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہلِ بزم
ہو غم ہی جاں گداز تو غم خوار کیا کریں

غالب

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیاہ پوش ہوا میرے بعد

غالب

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

غالب

ایک دن تو بھی جلے گی شمع اپنی آگ میں
کھیل یہ اچھا نہیں ہے دیکھ پروانوں کے ساتھ

حکیم ناصر

مدت سے کوئی آیا نہ گیا، سنسان پڑی ہے گھر کی فضا
ان خالی کمروں میں ناصر، اب شمع جلاؤں کس کے لیے

ناصر کاظمی

اے شمع تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح
ہم نے تمام عمر گزاری ہے اس طرح

سعید احمد ناطق لکھنوی

شمع نے آگ رکھی سر پہ قسم کھانے کو
بخدا میں نے جلایا نہیں پروانے کو

یگانہ

سلسلہ چھڑ گیا جب یاس کے افسانے کا
شمع گل ہوگئی دل بجھ گیا پروانے کا

یگانہ

پروانہ جل کے خاک کا اک ڈھیر ہوگیا
کیا روشنی میں شمع کی اندھیر ہو گیا

نامعلوم

امید کے دل کش پنگھٹ پر ہم شمع جلائے بیٹھے ہیں
تم وعدہ کر کے بھول گئے ہم آس لگائے بیٹھے ہیں

نامعلوم

شوخ، شوخیاں

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا

اقبال

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

میر حسین تسکین

آفت کی تانک جھانک قیامت کی شوخیاں
پھر چاہتے ہو ہم سے کوئی بدگماں نہ ہو

داغ

ابھی سن ہی کیا ہے جو بے باکیاں ہوں
انہیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے

داغ

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

داغ

تصویر میں نے مانگی تھی شوخی تو دیکھیے
اک پھول اس نے بھیج دیا ہے گلاب کا

عندلیب شادانی

انہیں منظور اپنے زخمیوں کو دیکھ آنا تھا
گئے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

غالب

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے
پیدا کیے تھے فلک نے جو خاک چھان کے

میر تقی میر

تھا ارادہ، تری فریاد کریں حاکم سے
وہ بھی اے شوخ ترا چاہنے والا نکلا

نظیر اکبر آبادی

پہلے تو آ کے شیخ نے دیکھا ادھر ادھر
پھر سر جھکا کے داخلِ میخانہ ہوگیا

امیر مینائی

دیکھا ہے بت کدے میں جو اے شیخ کچھ نہ پوچھ
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا

داغ

تھے دو گھڑی سے شیخ جی شیخی بگھارتے
ساری یہ ان کی شیخی جھڑی دو گھڑی کے بعد

ذوق

خیر دوزخ میں مَے ملے نہ ملے
شیخ صاحب سے جاں تو چھوٹے گی

فیض احمد فیض

رند بخشے گئے قیامت میں
شیخ کہتا رہا حساب، حساب

کشفی ملتانی

شیخ نے مسجد بنا مسمار بت خانہ کیا
پہلے اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ کیا

دیا شنکر نسیم

شیطان

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر
فعل بد تو ان سے ہو، لعنت کریں شیطان پر

انشاء

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

ذوق

شیطان کا شیطان فرشتے کا فرشتہ
انسان کی یہ بوالعجبی یاد رہے گی

یگانہ

صنم، صنم کدہ

صنم خانے میں کیا دیکھا کہ جا کر کھو گیا اصغر
حرم میں کاش رہ جاتا تو ظالم شیخِ دیں ہوتا

اصغر گونڈوی

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

اقبال

رنگ چڑھنے لگا ان پر بھی صنم خانوں کا
اب تو اللہ نگہباں ہے مسلمانوں کا

صاحبزادہ نصیرالدین نصیر

صیاد

صیاد نے تسلی بلبل کے واسطے
کنجِ قفس میں حوض بھرا ہے گلاب کا

آتش

نالوں سے میں نے آگ لگادی جہان میں
صیاد جانتا تھا فقط مشتِ پر مجھے

اصغر گونڈوی

یہاں کوتاہیِ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

اصغر گونڈوی

پاس تھا ناکامیِ صیاد کا اے ہم صفیر
ورنہ میں اور اڑ کے آتا ایک دانے کے لیے

اقبال

نہ اتراؤ صیاد کی دوستی پر
اسی باغ میں تھا مرا آشیانہ

باقی صدیقی

آشیاں بھی سامنے ہے، رخصتِ صیاد بھی
ہاں مگر ذوقِ اسیری مانعِ پرواز ہے

ثاقب لکھنوی

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

شیخ محمد جان شاد لکھنوی

اد کی رسمِ زباں بندی کی خیر
بے زبانوں کو بھی اندازِ کلام آ ہی گیا

مجروح سلطان پوری

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

مومن

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوئے آشیاں نہیں

مومن

بجلی کبھی گری کبھی صیاد آگیا
ہم نے تو چار دن بھی نہ دیکھے بہار کے

نامعلوم

ضد

ضد کی ہے اور بات مگر خو بُری نہیں
بُھولے سے اس نے سینکڑوں وعدے وفا کیے

غالب

اس ضد کا کیا ٹھکانہ کہ اپنا مذہب چھوڑ کر
میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہوگیا

مومن

ضد ہر اک بات میں نہیں اچھی
دوست کی دوست مان لیتے ہیں

نامعلوم

عارض، رخسار، رخ

رخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے یا دیکھیں اِدھر پروانہ آتا ہے

داغ

حسیں گالوں پہ ڈھلکتے ہوئے آنسو توبہ!
ہم نے شعلوں پہ مچلتی ہوئی شبنم دیکھی

ضیا جلالی

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے

غالب

ان کے رخسار پہ بہتے ہوئے آنسو توبہ
ہم نے شعلوں پہ مچلتی ہوئی شبنم دیکھی

نامعلوم

عجیب

وہ میرے حال پہ رویا بھی مسکرایا بھی
عجیب شخص ہے، اپنا بھی ہے پرایا بھی

آنس معین

کیسے عجیب لوگ تھے جن کے یہ مشغلے رہے
میرے بھی ساتھ ساتھ تھے، غیر سے بھی ملے رہے

سلیم کوثر

اپنے خلاف فیصلہ، خود ہی لکھا ہے آپ نے
ہاتھ بھی مل رہے ہیں آپ، آپ بہت عجیب ہیں

پیرزادہ قاسم

عشق، عاشق

فتنۂ دہر مٹ گیا، حشر اٹھا تھا اٹھ چکا
ختم مگر نہ ہو سکا مرحلۂ درازِ عشق

اصغر گونڈوی

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

اقبال

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اقبال

کثرت سے عاشقوں کی وہ گھبرائے اس قدر
قرآں اٹھا رہے ہیں کہ بندہ حسیں نہیں

اکبر الہ آبادی

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

حالی

تعزیرِ جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب!
بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

حالی

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

حالی

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ زخم جگر کہاں

حالی

افشائے رازِ عشق میں گو ذلتیں ہوئیں
لیکن اسے جتا تو دیا، جان تو گیا

داغ

سودا قمارِ عشق میں خسرو سے کوہکن
بازی اگر نہ لے سکا سر تو دے؟ سکا

سودا

کوچۂ عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے
خضر کیا جانیں غریب اگلے زمانے والے

میر وزیر علی صبا

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

غالب

آئے ہے بے کسیٔ عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

غالب

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

غالب

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

غالب

منزلِ عشق پہ تنہا پہنچے کوئی تمنا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا

فانی

ایک کو ایک کی خبر منزلِ عشق میں نہ تھی
کوئی بھی اہلِ کارواں شاملِ کارواں نہ تھا

فراق گورکھپوری

اب نہ وہ پرسشِ کرم اب نہ وہ چشمِ آشنا
شکوۂ عشق برطرف تجھ سے تو یہ گماں نہ تھا

فراق گورکھپوری

مآلِ عشق سے اونچا بہت تھا عشق ان کا
مآلِ عشق سے خائف نہ غزنوی نہ ایاز

فراق گورکھپوری

عشق کا ذوقِ نظارہ مفت میں بدنام ہے
حسن خود بے تاب ہے جلوے دکھانے کے لیے

مجاز

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

مومن

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

میر تقی میر

سخت کافر تھا جس نے پہلے میر
مذہبِ عشق اختیار کیا

میر تقی میر

اسی باعث تو قتلِ عاشقاں کو منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر

وزیر لکھنوی

عمر

اک دن وہ مل گئے تھے سرِ رہ گزر کہیں
پھر دل نے بیٹھنے نہ دیا عمر بھر کہیں

اشک رامپوری

بے وقت اگر جاؤں گا سب چونک پڑیں گے
اک عمر ہوئی دن میں کبھی گھر نہیں دیکھا

بشیر بدر

رونے والوں نے اٹھا رکھا تھا گھر سر پر مگر
عمر بھر کا جاگنے والا پڑا سوتا رہا

بشیر بدر

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

تسلیم لکھنوی

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ دردِ جگر کہاں

حالی

اے شمع تیری عمرِ طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے

ذوق

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی

مے کدے سے اب پرانی جائے گی

ریاض خیرآبادی

جو گلِ تازہ دیا تھا ساگر نے ایک دن

سوکھ جانے پر بھی مجھ کو عمر بھر اچھا لگا

محمد ندیم ساگر

غافل تجھے کرتا ہے یہ گھڑیال منادی

گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

قدرت اللہ شوق

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا

ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

صفی لکھنوی

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن

دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

بہادر شاہ ظفر

کہتے ہیں عمرِ رفتہ کبھی لوٹتی نہیں

جا میکدے سے میری جوانی اٹھا کے لا

عدم

خرابات میں بیٹھ کر دو گھڑی

عدم عمرِ رفتہ کی باتیں کریں

عدم

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

غالب

عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا

عمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری ہائے ہائے

غالب

اک عمر کٹ گئی ہے تیرے انتظار میں

ایسے بھی ہیں کہ کٹ نہ سکی جن سے ایک رات

فراق

عمر کٹتی ہے ان کی کانٹوں پر

پھول رکھتے ہیں جو کتابوں میں

ممتاز راشد

آواز دے کے دیکھ لو شاید وہ مل ہی جائے

ورنہ یہ عمر بھر کا سفر رائیگاں تو ہے

منیر نیازی

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن

آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

مومن

اس کے ایفائے عہد تک نہ جیے

عمر نے ہم سے بے وفائی کی

میر تقی میر

اے شمع تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح
ہم نے تمام عمر گزاری ہے اس طرح

ناطق لکھنوی

بیمارِ محبت نے ابھی یاد کیا تھا
خوب آگئی اے موت تری عمر بڑی ہے

خواجہ وزیر لکھنوی

قصہ کتابِ عمر کا کیا مختصر ہوا
رخ داستانِ غم کا ادھر سے ادھر ہوا

یگانہ

کسی کو گھر سے نکلتے ہی مل گئی منزل
کوئی ہماری طرح عمر بھر سفر میں رہا

نامعلوم

عمر اتنی تو عطا ہو میرے مالک مجھ کو
میرے دشمن میرے مرنے کی خبر کو ترسیں

نامعلوم

عہد

دل میں کتنے عہد باندھے تھے بھلانے کے اسے
وہ ملا تو سب ارادے توڑنا اچھا لگا

امجد اسلام امجد

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

میر درد

اس اندھیروں کے عہد میں ساغر
کیا کرے گا کوئی اجالوں کو

ساغر صدیقی

نہ سوالِ وصل، نہ عرضِ غم، نہ حکایتیں نہ شکایتیں
تیرے عہد میں دلزار کے سبھی اختیار چلے گئے

فیض احمد فیض

عید

انتیسویں کو رخ کے ترے دید ہوگئی
اب چاہے چاند ہو کہ نہ ہو عید ہوگئی

واجد علی شاہ اختر

عید کے روز میکدے میں ہے کوئی ایسا ریاض
ایک چلو دے کے لے جو تیس روزوں کا ثواب

ریاض خیرآبادی

عید کا دن ہے گلے آج تو مل لے ظالم
رسمِ دنیا بھی ہے، موقع بھی ہے، دستور بھی ہے

قمر بدایونی

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروزِ عیدِ قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے، وہی لے ثواب الٹا

مصحفی

غرور، نخوت

یہ ناز یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا
کیا تم جوان ہو کے بڑے آدمی ہوئے

سراج الدین آرزو

غرور اس پہ بہت سجا ہے مگر کہہ دو
اسی میں اس کا بھلا ہے غرور کم کردے

بشیر بدر

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

شیفتہ

آج ان کو اپنے قد پر ہوگیا کیسا غرور
جو تمہارے سامنے بالشت بھر کے لوگ تھے

عارف شفیق

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

غالب

واں وہ غرورِ عز و ناز یاں حجابِ پاسِ وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں

غالب

غرورِ حسن کا صدقہ کوئی جاتا ہے دنیا سے
کسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھتے جاؤ

فانی بدایونی

کرو کج جبیں پہ سرِ کفن، مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرورِ عشق کا بانکپن پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا

فیض احمد فیض

نخوت سے جو کوئی پیش آیا
کج اپنی کلاہ ہم نے کر لی

مصحفی

ہم تم سے چھین لیں گے یہ شانِ بے نیازی
پھر مانگتے پھرو گے اپنا غرور ہم سے

نامعلوم

مغرور جو کہتی ہے تو کہتی رہے دنیا
ہم مڑ کے کسی شخص کو دیکھا نہیں کرتے

نامعلوم

غزل

اس شہر میں اک لڑکی بالکل ہے غزل جیسی
بجلی سی گھٹاؤں میں خوشبو سی ہواؤں میں

بشیر بدر

وہ غزل کی ایک کتاب تھا وہ گلوں میں اک گلاب تھا
ذرا دیر کا کوئی خواب تھا جو گزر گیا سو گزر گیا

بشیر بدر

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

صفی لکھنوی

یہ ترا پیکرِ رعنا یہ ترا حسن و جمال
استعاروں سے بھری غزل ہو جیسے

ضیاء اللہ حیدر ضیاء

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

غالب

میں چمن میں کیا گیا، گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں

غالب

کیا ہے تازہ نخلِ غم کو آہیں سرد بھر بھر کر
بڑی محنت سے میں نے یہ ثمر جاڑے میں پالا ہے

امانت لکھنوی

نہ آئے موت خدایا تباہ حالی میں
یہ نام ہوگا غمِ روزگار سہ نہ سکا

جذبی

درد سے واقف نہ تھے غم سے شناسائی نہ تھی
ہائے کیا دن تھے طبیعت جب کہیں آئی نہ تھی

جلیل مانک پوری

یہ کیسے بال بکھرے ہیں، یہ کیوں صورت بنی غم کی؟
تمہارے دشمنوں کو کیا پڑی تھی میرے ماتم کی

آغا شاعر

دن یونہی کاٹتے ہیں قفس میں اسیرِ غم
گلشن کی سمت دیکھ لیا اور رو دئے

صابر رامپوری

جب بھی کسی نے ہنس کے مروت سے بات کی
دل سے تمام عمر کے غم دور ہوگئے

عدم

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

غالب

غیر

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی، نہ جاننا اس کو غیر ہرگز
جو اپنا سایہ بھی ہو تو اس کو تصور اپنا نہ کیجیے گا

حالی

غیروں سے کہا تم نے غیروں سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا، کچھ ہم سے سنا ہوتا

چراغ حسن حسرت

تیری محفل سے اٹھاتا غیر مجھ کو کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارہ کر دیا

حسرت موہانی

غیر کی نظروں سے بچ کر سب کی مرضی کے خلاف
وہ ترا چوری چھپے راتوں کو آنا یاد ہے

حسرت موہانی

بگڑو نہیں، تم غیر کے گھر سے نہیں آئے
تم کو تو کوئی بات بنانی نہیں آتی

آغا شاعر

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

غالب

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بے کسی کی شرم

غالب

غیر کو یا رب وہ کیونکر منعِ گستاخی کرے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

غالب

آنا جو میری قبر پہ غیروں کو نہ لانا
مردے کو مسلمان جلایا نہیں کرتے

قمر جلالوی

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا

مومن

شب تم جو بزمِ غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

مومن

بھلا غیروں سے کیا مطلب جو میں اُن سے گلہ کرتا
شکایت تم سے کی ہے تم کو اپنا جان کر میں نے

نخشب جارچوی

یہ بھی نیا ستم ہے حنا تو لگائیں غیر
اور اس کی داد چاہیں وہ مجھ کو دکھا کے ہاتھ

نظام رامپوری

کیا غیروں کو قتل اس نے، موئے ہم رشک کے مارے
اجل بھی دوستو آئی نصیبِ دشمناں ہو کر

وزیر لکھنوی

فرشتے

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

میر درد

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے
ہجومِ حشر میں لے آئے ہیں پلا کے مجھے

ریاض خیر آبادی

خرام وہ جو ہلادے جگر فرشتوں کا
نگاہ وہ جو الٹ دے صفوں کو محشر کی

صفی لکھنوی

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں

غالب

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

غالب

فریاد

میری وفائیں یاد کروگے
روؤگے فریاد کروگے

تاثیر

میں ہوں خاموش کہ برہم نہ ہو عالم کا نظام
وہ سمجھتے ہیں کہ اب طاقت فریاد نہیں

ثاقب لکھنوی

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے

غالب

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

غالب

تھا ارادہ، تری فریاد کریں حاکم سے
وہ بھی اے شوخ ترا چاہنے والا نکلا

نظیر اکبرآبادی

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتادو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نوگرفتاروں میں ہوں

نامعلوم

فریب

زندگی بھر ہم فریب دوستی کھاتے رہے
زندگی بھر ہم وفاؤں کا صلہ پاتے رہے

جگن ناتھ آزاد

ناآشنا نہیں رہ و رسمِ جہاں سے ہم
لائیں مگر فریب کی صورت کہاں سے ہم

حفیظ جالندھری

ناداں سہی پر اتنے بھی ناداں نہیں ہیں ہم
خود ہم نے جان جان کے کتنے فریب کھائے

عندلیب شادانی

فقیر

کبھی تو آؤ، کبھی تو بیٹھو، کبھی تو دیکھو، کبھی تو پوچھو
تمہاری بستی میں ہم فقیروں کا حال کیوں سوگوار سا ہے

ساغر صدیقی

ادھر سے آ ہی گئے ہو صاحب تو ہم فقیروں سے عذر کیسا
یہاں بھی امشب قیام کرلو، دعائیں دے گا غریب خانہ

عدم

کہہ دو یہ عدم سے کہ خرابات میں کل رات
کچھ لوگ فقیروں کی مدارات کریں گے

عدم

دم لے کے ایک لمحہ چلے جائیں گے فقیر
سن کر تمہارے خلق کی تعریف آ گئے

عدم

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

غالب

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

میر تقی میر

قاتل، قتل

قاتل نے کس صفائی سے دھوئی ہے آستیں
اس کو خبر نہیں کہ لہو بولتا بھی ہے

اقبال عظیم

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اکبر الہ آبادی

قاتل کو کوئی قتل کے آداب سکھائے
دستار کے ہوتے ہوئے سر کاٹ رہا ہے

پروین شاکر

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

محمد علی جوہر

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

میر درد

مکر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے
ہر اک سے پوچھتا ہے اس کو کس نے مار ڈالا ہے

میر سوز

سخت جاں ہم سا کوئی تم نے نہ دیکھا ہوگا
ہم نے قاتل کئی دیکھے ہیں تمہارے جیسے

عرفان صدیقی

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

غالب

لاؤ تو قتل نامہ میرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی

فیض احمد فیض

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

کلیم عاجز

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

مرزا مظہر جانِ جاں

کیا غیروں کو قتل اس نے موئے ہم رشک کے مارے
اجل بھی دوستو آئی نصیبِ دشمناں ہوکر

خواجہ وزیر

اسی باعث تو قتلِ عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسفِ بے کارواں ہوکر

خواجہ وزیر

اس شہر میں دشمن تو مرا کوئی نہ تھا
پھر کس نے مجھے قتل کیا سوچ رہا ہوں

نامعلوم

قبر، گور، مرقد

نہ گورِ سکندر، نہ ہے قبرِ دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

آتش

قاتلِ جہاں معشوق جو تھے سونے ہیں پڑے مرقد ان کے
یا مرنے والے لاکھوں تھے، یا رونے والا کوئی نہیں

آرزو لکھنوی

یہ کون بتائے عدم آباد ہے کیسا
ٹوٹی ہوئی قبروں سے صدا تک نہیں آتی

شکیب جلالی

جائیں قبروں پہ دوستوں کی کیا
واں کوئی ہم سے بولتا ہی نہیں

عزیز

دبا کے قبر میں سب چل دیے، دعا نہ سلام
ذرا سی دیر میں کیا ہوگیا زمانے کو

قمر جلالوی

آنا جو میری قبر پہ غیروں کو نہ لانا
مردے کو مسلمان جلایا نہیں کرتے

قمر جلالوی

قفس

صیاد نے تسلی بلبل کے واسطے
کنجِ قفس میں حوض بھرا ہے گلاب کا

آتش

بنالیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے

اصغر گونڈوی

قیدِ قفس میں طاقتِ پرواز اب کہاں
رعشہ سا کچھ ضرور ابھی بال و پر میں ہے

اصغر گونڈوی

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتادو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نوگرفتاروں میں ہوں

امیر مینائی

مرغِ دل مت رو یہاں آنسو بہانا منع ہے
اس قفس کے قیدیوں کو آب و دانہ منع ہے

بہادر شاہ ظفر

اہلِ چمن کو قیدِ قفس کی ہے آرزو
صیاد سے بھی بڑھ کے ستم باغباں کے ہیں

تاجور نجیب آبادی

سامنے ہے آشیانہ اور قفس کا در کھلا
پوچھتے ہو بے کسی کیا حسرتِ پرواز کی

ثاقب لکھنوی

مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شاد یہ کہلا بھیجا ہے
آجاؤ جو تم کو آنا ہو، ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

شاد عظیم آبادی

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

غالب

کیا بیت گئی اب کے فراز اہلِ چمن پر؟
یارانِ قفس مجھ کو صدا کیوں نہیں دیتے

احمد فراز

قفس کے ہو لیے ہم تو مگر اے اہلِ گلشن تم
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

قمر جلالوی

ہم قفس! صیاد کی رسمِ زباں بندی کی خیر
بے زبانوں کو بھی اندازِ کلام آ ہی گیا

مجروح سلطان پوری

کنج قفس میں ہم تو رہے مصحفی اسیر
فصلِ بہار باغ میں دھومیں مچا گئی

مصحفی

چار دن کی زندگی ہے کاٹ دو ہنس بول کر
دل لگا لو پھر قفس ہی آشیاں ہو جائے گا

یگانہ

خدا کسی کو بھی یہ خوابِ بد نہ دکھلائے
قفس کے سامنے جلتا ہے آشیاں اپنا

یگانہ

واللہ قفس میں آتے ہی کیا مت پلٹ گئی
آخر ہمیں تو ہیں کہ پھڑکتے تھے جال میں

یگانہ

رہ رہ کے جیسے کان میں کہتا یہ کوئی
ہوں گے قفس میں کل جو ہیں آج آشیانے میں

یگانہ

جس کی قفس میں آنکھ کھلی ہو مری طرح
اس کے لیے چمن کی خزاں کیا بہار کیا

نامعلوم

قیامت

وہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد سے مردے نکل پڑے
یہ مری جبینِ نیاز تھی کہ جہاں دھری تھی دھری رہی

بے نظیر شاہ وارثی

ترا پہلو ترے دل کی طرح آباد رہے
تجھ پہ گزرے نہ قیامت شبِ تنہائی کی

پروین شاکر

کیا قیامت ہے کہ خاطر کشتۂ شب بھی تھے ہم
صبح بھی آئی تو مجرم ہم ہی گردانے گئے

خاطر غزنوی

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

داغ

آفت کی تانک جھانک قیامت کی شوخیاں
پھر چاہتے ہو ہم سے کوئی بدگماں نہ ہو

داغ

قیامت ہیں بانکی ادائیں تمہاری
ادھر آؤ لے لوں بلائیں تمہاری

داغ

مے پی تو سہی توبہ بھی ہو جائے گی زاہد
کم بخت، قیامت ابھی آئی نہیں جاتی

داغ

یہ کیا قیامت ہے باغبانو! کہ جن کی خاطر بہار آئی
وہی شگوفے کھٹک رہے ہیں تمہاری آنکھوں میں خار بن کر

ساغر صدیقی

سودا کی جو بالیں پہ ہوا شورِ قیامت
خدّامِ ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

سودا

قیامت کے وعدے پہ خوش ہونے والے
ترے صبر کا امتحاں ہو رہا ہے

عدم

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

غالب

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

غالب

ترے سرو قامت سے اک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

غالب

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا
بات پہنچی تری جوانی تک

فانی بدایونی

کیا قیامت ہے کہ جن کے لیے رک رک کر چلے
اب وہی لوگ ہمیں آبلہ پا کہتے ہیں

احمد فراز

تبسم بھی شبنم سے ہو نرم جس کا
قیامت ہے اس آنکھ کا ڈبڈبانا

فراق

رند بخشے گئے قیامت میں
شیخ کہتا رہا حساب حساب

شاہ دین ہمایوں

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

شاہ دین ہمایوں

قیس، مجنوں، دیوانہ

قہر ہے تھوڑی سی غفلت بھی طریقِ عشق میں
آنکھ جھپکی قیس کی اور سامنے محمل نہ تھا

اصغر گونڈوی

چھانی ہے خاک ہم نے بھی صحرائے نجد کی
مجنوں کا نام ہوگیا قسمت کی بات ہے

اقبال سحر

لکھی ہیں قصہ مجنوں میں لیلیٰ کی وفائیں بھی
یہ ٹکڑا بھی پڑھو یہ بھی تو شامل ہے کہانی میں

آغا حشر

اس نے حیرت سے کہا دیکھی جو لیلیٰ کی شبیہ
قیس دیوانہ ہوا تھا اس بلا کو دیکھ کر!

داغ

سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

سودا

قیس صحرا میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

میاں داد خاں سیاح

غزالاں تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانہ مرگیا آخر کو، ویرانے پہ کیا گزری

رام نرائن موزوں

کارواں

نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشکِ صحرا ہوں
لگا کے آگ مجھے کارواں روانہ ہوا

حیدر علی آتش

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

اقبال

آپ کو کارواں سے کیا مطلب
آپ تو میرِ کارواں ٹھہرے

باقی صدیقی

یارانِ تیزگام نے محمل کو جالیا
ہم محو نالۂ جرسِ کارواں رہے

حالی

ایک کو ایک کی خبر منزلِ عشق میں نہ تھی
کوئی بھی اہلِ کارواں شاملِ کارواں نہ تھا

فراق گورکھپوری

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

مجروح سلطان پوری

اسی خاطر تو قتلِ عاشقاں سے منع کرتے تھے

اکیلے پھر رہے ہو یوسفِ بے کارواں ہو کر

خواجہ وزیر

کافر

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا

اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

اقبال

اے ذوق دیکھ! دخترِ رز کو نہ منہ لگا

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

ذوق

اس ضد کا کیا ٹھکانہ کہ اپنا مذہب چھوڑ کر

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہوگیا

مومن

کام

میں ہوں کہ مجھے دیدہ بینا کا روگ ہے
اور لوگ ہیں کہ کام انہیں اپنے کام سے

جمال احسانی

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

غالب

آپ کہتے ہیں پرایوں نے کیا ہم کو تباہ
بندہ پرور! کہیں اپنوں ہی کا یہ کام نہ ہو

ظفر علی خاں

کتاب

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اکبر الہ آبادی

یونہی بے سبب نہ پھرا کرو، کوئی شام گھر میں رہا کرو
وہ غزل کی سچی کتاب ہے، اسے چپکے چپکے پڑھا کرو

بشیر بدر

اوراق میں چھپاتی تھی اکثر وہ تتلیاں
شاید کسی کتاب میں رکھا ہوا ہوں میں

بشیر بدر

میں نے دو چار کتابیں تو پڑھی ہیں لیکن
شہر کے طور طریقے مجھے کم آتے ہیں

بشیر بدر

وہ چہرہ کتابی رہا سامنے
بڑی خوبصورت پڑھائی ہوئی

بشیر بدر

رہتا تھا سامنے ترا چہرہ کھلا ہوا
پڑھتا تھا میں کتاب یہی ہر کلاس میں

شکیب جلالی

کشتیاں سب کی کنارے پہ پہنچ جاتی ہیں
ناخدا جن کا نہ ہو، ان کا خدا ہوتا ہے

امیر مینائی

جب کشتی ثابت وسالم تھی، ساحل کی تمنا کس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے

معین احسن جذبی

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

حالی

احسان ناخدا کا اٹھائے مری بلا
کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

ذوق

اندھیری رات، طوفانی ہوا، ٹوٹی ہوئی کشتی
یہی اسباب کیا کم تھے کہ اس پہ ناخدا تم ہو

سرشار سیلانی

تو نے کہا نہ تھا کہ میں کشتی پہ بوجھ ہوں
آنکھوں کو اب نہ ڈھانپ، مجھے ڈوبتے بھی دیکھ

شکیب جلالی

اچھا یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
اک تو ہی ناخدا نہیں ظالم خدا بھی ہے

فانی

اب نزع کا عالم ہے مجھ پر تم اپنی محبت واپس کو
جب کشتی ڈوبنے لگتی ہے تو بوجھ اتارا کرتے ہیں

قمر جلالوی

کچے گھڑے نے جیت لی ندی چڑھی ہوئی
مضبوط کشتیوں کو کنارہ نہیں ملا

مصطفےٰ زیدی

ہم بھولے ہوئے راہ ہیں اے کعبہ نشینو
جاتے تھے کہیں اور نکل آئے کہیں اور

جلیل مانک پوری

کعبے کی ہے ہوس کبھی کوئے بتاں کی ہے
مجھ کو خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے

داغ

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

غالب

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

غالب

کعبہ نہیں کہ ساری خدائی کو دخل ہو
دل میں سوائے یار کسی کا گزر نہیں

یگانہ

آگے جبینِ شوق تجھے اختیار ہے
یہ دیر ہے، یہ کعبہ ہے، یہ کوئے یار ہے

نامعلوم

باغباں بلبلِ کشتہ کو کفن کیا دیتا
پیرہن گل کا نہ اترا کبھی میلا ہوکر

میر وزیر علی صبا

یہ لاشِ بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

غالب

سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ، میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

فانی بدایونی

کرو کج جبیں پہ سرِ کفن، مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرورِ عشق کا بانکپن پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا

فیض احمد فیض

کلام

وہ مجھ سے ہوئے ہم کلام اللہ اللہ
کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

لذت ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ
پوچھیں گے جا کے حالی جادو بیاں سے ہم

حالی

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
روح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں

غالب

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

غالب

ہم قفس! صیاد کی رسمِ زباں بندی کی خیر
بے زبانوں کو بھی اندازِ کلام آ ہی گیا

مجروح سلطان پوری

کون

کون کسی کا ہوتا ہے اور کون کسی کی سنتا ہے
سب کہنے ہی کی باتیں ہیں اب ایسی باتیں رہنے دو

عباس بیگ

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

غالب

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا کیجیے ہائے ہائے کیوں

غالب

میں روز ادھر سے گزرتا ہوں، کون دیکھتا ہے
میں جب اِدھر سے نہ گزروں گا کون دیکھے گا

مجید امجد

گل

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گُل سو زر بکف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

حیدر علی آتش

رازو نیاز کس سے ہوئے ہیں تمام رات
ملتا نہیں مزاج گلوں کا سحر کے وقت

اثر لکھنوی

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں

جگر

فصل گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
یا کوئی وحشی اور آپہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

فانی

پتّا پتّا، بُوٹا بُوٹا، حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

میر تقی میر

گِلہ

وہ گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

اقبال

تری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

اقبال

جب تلک تم تھے کشیدہ دل تھا شکووں سے بھرا
تم گلے سے مل گئے سارا گلہ جاتا رہا

امیر مینائی

تم اور فریب کھاؤ بیانِ رقیب سے
تم سے تو کم گلہ ہے، زیادہ نصیب سے

آغا حشر کاشمیری

او وفا ناآشنا کب تک سنوں تیرا گلہ
بے وفا کہتے ہیں تجھ کو اور شرماتا ہوں میں

آغا حشر کاشمیری

لو آج ہم نے توڑ دیا رشتۂ امید
لو اب کبھی گلہ نہ کریں گے کسی سے ہم

ساحر لدھیانوی

مفلس نے کچھ کیا نہیں رزاق سے گلہ
بچوں کو اپنے آج بھی بھوکا سلادیا

عارف شفیق

گلہ نہیں ہے تمہارے سلوک کا لیکن
یونہی کبھی کبھی دل میں خیال آتا ہے

عدم

جو یہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں خوش ہیں ہم تو
ان کے دل میں بھی مقدر کا گلہ ہوتا ہے

عندلیب شادانی

حق ہیں گدائے راہ کا بخت وروں کی جھڑکیاں
تجھ سے مجھے گلہ نہیں، تیرا خدا بھلا کرے

عندلیب شادانی

دیکھنا یوں کوئی شکووں سے خفا ہوتا ہے
ناز ہو جس پر اسی سے تو گلہ ہوتا ہے

عندلیب شادانی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیا کسی کا گلہ کرے کوئی

غالب

کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہوگئے

غالب

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

مومن

شکوہ کروں ہوں بخت کا، اتنے غضب نہ ہو بتاں
مجھ کو خدانخواستہ، تم سے تو کچھ گلا نہیں

میر تقی میر

گلہ نہیں ہے تمہارے سلوک کا لیکن
کبھی کبھی یونہی دل میں خیال آتا ہے

نامعلوم

گماں اور بدگماں

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

اقبال

چراغ سامنے والے مکان میں بھی نہ تھا
یہ سانحہ مرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا

جمال احسانی

رات ان کو بات بات پہ سو سو دیے جواب
مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا

حالی

کل مدعی کو آپ پہ کیا کیا گماں رہے
بات اس کی کاٹتے رہے اور ہم زباں رہے

حالی

آفت کی تانک جھانک قیامت کی شوخیاں
پھر چاہتے ہو ہم سے کوئی بدگماں نہ ہو

داغ

اس کی کشیدگی کا سبب کچھ بھی ہو مگر
مجھ کو گماں نہ تھا کہ یہ نوبت بھی آئے گی

راشد مفتی

تجھ کو خدا کا واسطہ یوں مرا امتحاں نہ لے
مجھ کو نہ اس گماں میں ڈال تو نے مجھے بھلا دیا

عندلیب شادانی

لے تو لوں سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا

غالب

اب نہ وہ پرسشِ کرم اب نہ وہ چشمِ آشنا
شکوۂ عشق برطرف تجھ سے تو یہ گماں نہ تھا

فراق

گناہ

وہ کون ہیں جنہیں توبہ کی مل گئی فرصت
ہمیں گناہ بھی کرنے کو زندگی کم ہے

آنند نرائن ملاّ

پھر اس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے
گناہگار یہ کہہ دے گناہگار ہوں میں

امیر مینائی

سب گناہوں کا اقرار کرنے لگیں
اس قدر خوبصورت سزائیں نہ دے

بشیر بدر

تعزیرِ جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

حالی

یا رب مجھے اب دامنِ رحمت میں چھپا
میں تھک گیا ہوں گناہ کرتے کرتے

آغا شاعر

اے عدم ہر گناہ کر لیکن
دوستوں سے ریا کی بات نہ کر

عدم

یا رب میں متفق نہیں فردِ گناہ سے
ہاں کاتبِ عمل کو بلا میرے سامنے

عدم

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

غالب

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

غالب

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

غالب

اک فرصتِ گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

فیض احمد فیض

دوستو! اس کی محفل میں نہ لے جاؤ مجھے
وہ تو ناکردہ گناہوں کی سزا دیتا ہے

قتیل شفائی

گھٹا

میں توبہ کر چکا تھا ولے کیا کروں امیر
کالی گھٹا کو دیکھ کر طبیعت مچل گئی

امیر مینائی

حشر یہ کالی گھٹا اور توبہ کا خیال
تم یہیں بیٹھے رہو میں سوئے میخانہ چلا

آغا حشر

لپٹ جاتے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے
الٰہی یہ گھٹا دو دن تو برسے

نامعلوم

گھر

ہوئے اس قدر مہذب، کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں، مرے اسپتال جا کر

اکبر الہ آبادی

آنچ صیاد کے گھر تک پہنچی
اتنی شعلوں کو ہوا دی میں نے

باقی صدیقی

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں
تم ترس نہیں کھاتے بستیاں جلانے میں

بشیر بدر

تمہارے گھر کے سبھی رستوں کو کاٹ گئی
ہمارے ہاتھ میں کوئی لکیر ایسی تھی

بشیر بدر

مجھے جان کر کوئی اجنبی وہ دکھا رہے ہیں گلی گلی
اسی شہر میں مرا گھر بھی تھا، یہ کبھی کسی کو خبر نہ ہو

بشیر بدر

وہ تمام دنیا کے واسطے جو محبتوں کی مثال تھا
وہی اپنے گھر میں تھا بے وفا، یہ کبھی کسی کو خبر نہ ہو

بشیر بدر

بے وقت اگر جاؤں گا سب چونک پڑیں گے
اک عمر ہوئی دن میں کبھی گھر نہیں دیکھا

بشیر بدر

رونے والوں نے اٹھا رکھا تھا گھر سر پر مگر
عمر بھر کا جاگنے والا پڑا سوتا رہا

بشیر بدر

وہ اپنے گھر چلا گیا افسوس مت کرو
اتنا ہی اس کا ساتھ تھا افسوس مت کرو

بشیر بدر

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مہتاب رائے تاباں

بُوٹا سا قد ہے پھول سا رخ غنچہ سا دہن
جس گھر میں وہ گئے اسے گلزار کر دیا

جلیل مانک پوری

بے تکلف دل میں تم آ کر بسو، جی کھول کر
آپ کا گھر ہے یہاں اب کس سے شرماتے ہیں آپ

شاہ حاتم

ان کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

حالی

کتنا شرمندہ در و دیوار سے ہونا پڑا
جس کی خاطر گھر سجایا تھا وہ آیا ہی نہیں

حبیب امروہوی

لٹ گیا گھر تو ہے اب صبح کہیں، شام کہیں
دیکھئے اب ہمیں ملتا بھی ہے آرام کبھی

خلیل الرحمن اعظمی

سوتے ہیں جو فٹ پاتھ پہ وہ سوچ رہے ہیں
گھر جن کے سلامت ہیں وہ گھر کیوں نہیں جاتے

سنت نام سنگھ خمار

کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاض
زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

ریاض خیر آبادی

بے نام دیاروں کا سفر کیسا لگا ہے
اب لوٹ کے آئے ہو تو گھر کیسا لگا ہے

شفیق سلیمی

وہ شیفتہ کہ دھوم ہے حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

نواب مصطفٰے خاں شیفتہ

مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کر دے!
میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے

افتخار عارف

اٹھتا قدم جو آگے کو اے نامہ بر نہیں
پیچھے تو چھوڑ آئے کہیں اس کا گھر نہیں

عارف دہلوی

بنا گلاب تو کانٹے چبھو گیا اک شخص
ہوا چراغ تو گھر ہی جلا گیا اک شخص

عبیداللہ علیم

ادھر سے آ ہی گئے ہو صاحب تو ہم فقیروں سے عذر کیسا
یہاں بھی امشب قیام کرلو، دعائیں دے گا غریب خانہ

عدم

آئے ہے بے کسی عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

غالب

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

غالب

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

غالب

ہے خبر گرم ان کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

غالب

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

غالب

بہلا نہ دل نہ تیرگی شام غم گئی
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

فانی بدایونی

انہی پتھروں پہ چل کر اگر آسکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

مصطفیٰ زیدی

مدت سے کوئی آیا نہ گیا سنسان پڑی ہے گھر کی فضا
ان خالی کمروں میں ناصر اب شمع جلاؤں کس کے لیے

ناصر کاظمی

رہگذر پر نہ سہی تیز ہوائیں ہیں اگر
گھر کے اندر تو چراغوں کو جلائے رکھنا

یاسمین حمید

گھڑی، گھڑیال

تھے دو گھڑی سے شیخ جی شیخی بگھارتے
ساری یہ ان کی شیخی جھڑی دو گھڑی کے بعد

ذوق

غافل تجھے کرتا ہے یہ گھڑیال منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

قدرت اللہ شوق

عمر بھر میں دو ہی گھڑیاں مجھ پہ گزری ہیں کٹھن
آپ کے آنے سے پہلے، آپ کے جانے کے بعد

مومن خاں مومن

لب

زخم پہ زخم کھا کے جی، اپنے لہو کے گھونٹ پی
آہ نہ کر لبوں کو سی عشق ہے دل لگی نہیں

احسان دانش

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

ذوق

اگر مرتے ہوئے لب پر نہ تیرا نام آئے گا
تو میں مرنے سے درگزرا مرے کس کام آئے گا

شاد عظیم آبادی

یہ اور بات کہ وہ لب تھے پھول سے نازک
کوئی نہ سہہ سکے لہجہ کرخت ایسا تھا

شکیب جلالی

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

غالب

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

میر تقی میر

لحد

وہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد سے مردے نکل پڑے
یہ مری جبینِ نیاز تھی کہ جہاں دھری تھی، دھری رہی

بے نظیر وارثی

لحد میں کیوں نہ جاؤں منہ چھپائے
بھری محفل سے اٹھوایا گیا ہوں

شاد عظیم آبادی

زندہ ہوں تو دستک کو ترستے ہیں مرے کان
مرنے پہ دیا کون جلائے گا لحد پر

مرتضیٰ برلاس

گل چڑھائیں گے لحد پر جن سے یہ امید تھی
وہ بھی پتھر رکھ گئے سینے پہ دفنانے کے بعد

نامعلوم

لوگ

کیا آپ جانتے ہیں مجھے تو خبر نہیں
کہتے ہیں لوگ مجھ کو محبت ہے آپ سے

جلال الدین اکبر

اُن سے ضرور ملنا سلیقے کے لوگ ہیں
سر بھی قلم کریں گے بڑے احترام سے

بشیر بدر

مجھ کو تو ہوش نہیں تم کو خبر ہو شاید
لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا

جوش ملیح آبادی

گو ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے
لیکن اتنا تو ہوا کچھ لوگ پہچانے گئے

خاطر غزنوی

بہت جی خوش ہوا ، حالی سے مِل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

حالی

بادشاہوں کو یہی بات گراں گزری ہے
کیوں خریدے نہ گئے طاقتِ زر سے ہم لوگ

رضا محمود ٹوانہ

ہر قدم پر نت نئے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں لوگ
دیکھتے ہی دیکھتے کتنے بدل جاتے ہیں لوگ

حمایت علی شاعر

شاعر ان کی دوستی کا اب بھی دم بھرتے ہیں آپ
ٹھوکریں کھا کر تو سنتے ہیں سنبھل جاتے ہیں لوگ

حمایت علی شاعر

لوگ دیتے رہے کیا کیا نہ دلاسے مجھ کو
زخم گہرا ہی سہی، زخم ہے بھر جائے گا

شکیب جلالی

آج ان کو اپنے قد پر ہو گیا کیسا غرور
جو تمہارے سامنے بالشت بھر کے لوگ تھے

عارف شفیق

ہر گلی کوچے میں رسوا ہوئے جن کی خاطر
کیا خبر تھی کہ وہی لوگ بدل جائیں گے

شہریار

کتنے حسین لوگ تھے جو مل کے ایک بار
آنکھوں میں جذب ہو گئے دل میں سما گئے

عدم

اے عدم احتیاط لوگوں سے
لوگ منکر نکیر ہوتے ہیں

عدم

کچھ لوگ اپنی کوشش سے طوفاں کی زد سے بچ نکلے
کچھ لوگ مگر ملاحوں کی ہمت کے سہارے ڈوب گئے

عدم

غلطی ہائے مضامین مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

غالب

کیا قیامت ہے کہ جن کے لیے رک رک کر چلے
اب وہی لوگ ہمیں آبلہ پا کہتے ہیں

احمد فراز

ان کے وعدوں پہ یقیں، لوگ بھی دیوانے ہیں
اک فقط میں ہی نہیں، لوگ بھی دیوانے ہیں

احمد فراز

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

مجروح سلطان پوری

منحصر اہلِ ستم پر ہی نہیں ہے محسن
لوگ اپنوں کی عنایت سے بھی مر جاتے ہیں

محسن بھوپالی

سر پر چڑھ کر بول رہے ہیں پودے جیسے لوگ
پیڑ بنے خاموش کھڑے ہیں کیسے کیسے لوگ

محسن بھوپالی

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے
پیدا کیے تھے فلک نے جو خاک چھان کے

میر تقی میر

لہو

قریب ہے یارو روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

امیر مینائی

قاتل نے کس صفائی سے دھوئی ہے آستیں
اس کو خبر نہیں کہ لہو بولتا بھی ہے

اقبال عظیم

گل اس نگہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا
یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا

ذوق

ہاں! میں نے لہو اپنا گلستاں کو دیا ہے
مجھ کو گل و گلزار پہ تنقید کا حق ہے

ساغر صدیقی

آ کر گرا تھا کوئی پرندہ لہو میں تر
تصویر اپنی چھوڑ گیا ہے چٹان پر

شکیب جلالی

نہ چھیڑو، پرانے فسانے نہ چھیڑو
لہو ہی بہے گا اگر زخم چھیلے

شکیب جلالی

فصیلِ جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
حدودِ وقت سے آگے نکل گیا ہے کوئی

شکیب جلالی

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

غالب

جنم جنم کے اندھیروں کو دے رہا ہے شکست
وہ اک چراغ کہ اپنے لہو سے روشن ہے

قابل اجمیری

لہو دے کے سینچا ہے ہم نے چمن کو
ہر اک پھول کا ماجرا جانتے ہیں

ناصر کاظمی

نہ ملے زہر تو اپنا ہی لہو پیتے ہیں
جام خالی نہیں رہتے کبھی سقراطوں کے

نامعلوم

ماں

شہر میں آ کے پڑھنے والے بھول گئے
کس کی ماں نے کتنا زیور بیچا تھا

اسلم کولسری

ایک مدت سے مری ماں نہیں سوئی تابش
میں نے اک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

تابش

جب چلی ٹھنڈی ہوا، بچہ ٹھٹھر کر رہ گیا
ماں نے اپنے لعل کی تختی جلادی رات کو

سبطِ علی صبا

کسی کو گھر ملا حصے میں یا کوئی دکاں آئی
میں گھر میں سب سے چھوٹا تھا میرے حصے میں ماں آئی

منور رانا

محبت، الفت

میں نے جو کچھ بھی کہا صرف محبت میں کہا
مجھ کو تم اپنی محبت کی سزا مت دینا

اقبال عظیم

نمازِ محبت کو بہزادِ مضطر
قضا کر چکے تھے ادا کر رہے ہیں

بہزاد لکھنوی

بیگانہ ہوئی دنیا رسم و راہِ الفت سے
اک میری طبیعت ہے جو باز نہیں آتی

ثاقب لکھنوی

محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے
محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں

جگر مرادآبادی

جس کو کہتے ہیں محبت جس کو کہتے ہیں خلوص
جھونپڑوں میں ہو تو ہو پختہ مکانوں میں نہیں

جذبی

محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے
تری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے

حفیظ ہوشیار پوری

رہروِ راہِ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

داغ

محبت ترک کی میں نے گریباں سی لیا میں نے
زمانے اب تو خوش ہو زہر یہ بھی پی لیا میں نے

ساحر لدھیانوی

اس کا اظہار محبت بھی تھا کتنا دل نشیں
رکھ گیا سوتے میں اک دن میرے ہونٹوں پر گلاب

شوکت ہاشمی

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

شیفتہ

یوں تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

سید ظہیر الدین ظہیر دہلوی

نہ کچھ کہنا نہ سننا اور حالِ دل سمجھ لینا
خموشی ہی محبت کی زباں معلوم ہوتی ہے

عندلیب شادانی

ہر اک بات کا فیصلہ ہو گیا
محبت کی پہلی ملاقات میں

عدم

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

غالب

کچھ تو مرے پندارِ محبت کا بھرم رکھ
تو بھی تو کبھی مجھ کو منانے کے لیے آ

احمد فراز

وہی تم وہی ہم وہی درد لیکن
محبت محبت، زمانا زمانا

فراق

مہربانی کو محبت نہیں کہتے اے دوست
آہ اب مجھ سے تجھے رنجش بے جا بھی نہیں

فراق

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے
وہ جارہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے

فیض احمد فیض

اب نزع کا عالم ہے مجھ پر تم اپنی محبت واپس لو
جب کشتی ڈوبنے لگتی ہے تو بوجھ اتارا کرتے ہیں

قمر جلالوی

مرے سلیقہ سے میری نبھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

میر تقی میر

کتنی عجیب شے ہے محبت کی سادگی
دنیا سے کر رہا ہوں تمہاری شکایتیں

نامعلوم

محفل

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
میں ان کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

اکبر الہ آبادی

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا

آتش

یہ دستورِ زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

اقبال

اس شہر میں کس سے ملیں ہم سے تو چھوٹی محفلیں
ہر شخص تیرا نام لے ہر شخص دیوانہ ترا

ابنِ انشا

ہمیں جب نہ ہوں گے تو کیا رنگِ محفل
کسے دیکھ کر آپ شرمایئے گا

جگر

اور ہوں گے تری محفل سے نکلنے والے
حضرتِ داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے

داغ دہلوی

لحد میں کیوں نہ جاؤں منہ چھپائے
بھری محفل سے اٹھوایا گیا ہوں

شاد عظیم آبادی

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تیری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

بہادر شاہ ظفر

ڈھونڈیں لوگ مجھ کو ہر محفلِ سخن میں
ہر دور کی غزل میں میرا نشاں ملے گا

ناصر کاظمی

شاید مجھے نکال کے پچھتا رہے ہوں آپ
محفل میں اس خیال سے پھر آ گیا ہوں میں

عدم

مزا

غفلت میں کٹے عمر تو جینے کا مزا کیا
پی کر کوئی سو جائے تو پینے کا مزا کیا

عندلیب شادانی

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے
وہ گدا جس میں نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

غالب

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب
میرے دونوں پہلوؤں میں دلِ بے قرار ہوتا

نامعلوم

مزاج

ہمیں خبر ہے ہوا کا مزاج رکھتے ہو
مگر یہ کیا کہ ذرا دیر کو رکے بھی نہیں

پروین شاکر

کچھ اس ادا سے یار نے پوچھا میرا مزاج
کہنا پڑا کہ شکر ہے پروردگار کا

جلیل مانک پوری

یقین کر کہ یہ کہنہ نظام بدلے گا
مرا شعور مزاجِ عوام بدلے گا

ساغر صدیقی

میں نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا مجھے

فانی بدایونی

مقام

وہ مجھ سے ہوئے ہم کلام اللہ اللہ
کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ

صوفی تبسم

راہروِ راہِ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دوچار بہت سخت مقام آتے ہیں

داغ

وہی کارواں، وہی راستے، وہی زندگی، وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں

شکیل بدایونی

تھک تھک کے ہر مقام پر دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

غالب

ملاقات

ملتے ہی ان کے بھول گئیں کلفتیں تمام
گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا

حالی

راہ پر ان کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں
اور کھل جائیں گے دوچار ملاقاتوں میں

داغ

اے ذوق کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

ذوق

عدم اتفاق اور اتنا حسین
ملاقات اور چاندنی رات میں

عدم

جم کے بیٹھیں کبھی، ایسی بھی ملاقات تو ہو
تم کہو شام ہوئی، میں یہ کہوں رات تو ہو

صاحبزادہ نصیر الدین نصیر

گاہے گاہے کی ملاقات ہی اچھی ہے
قدر کھو دیتا ہے ہر روز کا آنا جانا

نامعلوم

منزل

جب تھوڑی دور رہ گیا منزل سے قافلہ

رہزن کے ہاتھ قافلہ سالار بک گئے

محمد اسلم سعیدی

اے جذبہ دل گر میں چاہوں، ہر چیز مقابل آجائے

منزل کے لیے دو گام چلوں اور سامنے منزل آجائے

بہزاد لکھنوی

نہ جانے کتنے سفینے تلاش منزل میں

بھنور سے بچ کے سکون کنار میں ڈوبے

صوفی تبسم

دعا دیں گے میرے بعد آنے والے میری وحشت کو

بہت کانٹے نکل آئے ہیں میرے ساتھ منزل سے

جلال لکھنوی

ہمت نہ ہار دے کوئی منزل کے سامنے

پروردگار یوں بھی کوئی ناتواں نہ ہو

محمد علی جوہر

منزل پہ آ کے شاد عجب حادثہ ہوا

میں ہم سفر کو بھول گیا، ہم سفر مجھے

شاد امرتسری

نہ ملا سراغ منزل کہیں عمر بھر کسی کو

نظر آ گئی ہے منزل کہیں دو قدم ہی چل کر

شکیل بدایونی

راستے بھر کی رفاقت بھی بہت ہے جانِ من

ورنہ منزل پر پہنچ کر کون کس کا آشنا

احمد فراز

نیرنگیِ سیاستِ دوراں تو دیکھیے

منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے

محسن بھوپالی

حسرت پہ اس مسافرِ بے کس کی روئیے

جو تھک کے بیٹھ جاتا ہو منزل کے سامنے

مصحفی

موسم

مجھے پت جھڑوں کی کہانیاں نہ سنا سنا کے اداس کر
نئے موسموں کا پتہ بتا، جو گزر گیا سو گزر گیا

بشیر بدر

موسمِ بہار ہے، عنبریں خمار ہے
کس کا انتظار ہے، گیسوؤں کو کھولئے

عدم

جو آنے والے ہیں موسم انہیں شمار میں رکھ
جو دن گزر گئے، ان کو گِنا نہیں کرتے

محسن بھوپالی

میکدہ، میخانہ

خونِ اخلاص کی بو آتی ہے پیمانے سے
رند گھبرا کے نکل آئے ہیں میخانے سے

باقی صدیقی

عید کے روز میکدے میں ہے کوئی ایسا ریاض
ایک چلّو دے کے لے جو تیس روزوں کا ثواب

ریاض خیر آبادی

اب تو اتنی بھی میسر نہیں میخانے میں
جتنی ہم چھوڑ دیا کرتے تھے پیمانے میں

ریاض خیر آبادی

اس مے کدے سے ہم تو چلے تشنہ کام ہی
بس ہم پہ ظرفِ ساقی و پیمانہ کھل گیا!

داغ

تم ناحق ناراض ہوئے ہو ورنہ میخانے کا پتہ
ہم نے ہر اس شخص سے پوچھا جس کے نین نشیلے تھے

غلام محمد قاصر

دنیا تمام چھٹ گئی پیمانے کے لیے
وہ مے کدے میں آئے تو پیمانہ چھٹ گیا

مصطفٰی زیدی

ناز

تہذیبِ کہنہ میری شرافت پہ ناز کر
دھوکا دیا ہے دوست نے شرمارہا ہوں میں

جگن ناتھ آزاد

جفائے ناز کی میں نے شکایت ہائے کیوں کی تھی
مجھے جینے نہیں دیتی نگاہِ شرمسار اُس کی

اختر شیرانی

کشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے
نیازمند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

اقبال

دیکھنا یوں کوئی شکووں سے خفا ہوتا ہے
ناز ہو جس پر اسی سے تو گلہ ہوتا ہے

عندلیب شادانی

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھادیا کہ یوں

غالب

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

غالب

واں وہ غرورِ عز و ناز یاں حجابِ پاسِ وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں

غالب

تیرے خرامِ ناز سے آج وہاں چمن کھلے
فصلیں بہار کی جہاں خاک اڑا کے رہ گئیں

فراق

کیسی اب ان کی دھوپ میں جلتی ہیں تربتیں
سایہ میں یاں پلے تھے جو ناز و نعم کے ساتھ

مصحفی

ناصح

رات کو ناصح بادہ نوشوں کو سمجھانے گئے
میکدے سے نکلے تو مشکل سے پہچانے گئے

بیکل اُتساہی

خلافِ مصلحت میں بھی سمجھتا ہوں مگر ناصح
وہ آتے ہیں تو چہرے پر تغیر آ ہی جاتا ہے

جوش ملیح آبادی

ناصح کو بلاؤ میرا ایمان سنبھالے
پھر دیکھ لیا اس نے محبت کی نظر سے

حفیظ جالندھری

تو بھی اے ناصح کسی پر جان دے
ہاتھ لا استاد کیوں کیسی کہی

داغ

ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی
عجیب چیز ہے یہ طولِ مدعا کے لیے

داغ

میں بتاؤں فرق ناصح جو ہے مجھ میں اور تجھ میں
مری زندگی تلاطم تری زندگی کنارا

شکیل بدایونی

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا

مومن

نقاب

حسن کو بے نقاب دیکھا ہے
میں نے بھی ایک خواب دیکھا ہے

اختر انصاری

یوں اٹھایا اس نے چہرے سے نقاب
صبح کی پہلی کرن شرما گئی

اقبال صفی پوری

تم نقابِ رُخ اٹھاؤ تم کو اس سے کیا غرض
کس کی قسمت میں ہے جلنا، ہوش سے جاتا ہے کون

بہزاد لکھنوی

چہرے سے وہ نقاب اٹھاتے نہیں کبھی
کہتے ہیں کوئی دیکھنے والا نہیں رہا

جلیل مانک پوری

یہ خوب کیا ہے یہ زشت کیا ہے جہاں کی اصلی سرشت کیا ہے
بڑا مزا ہو تمام چہرے اگر کوئی بے نقاب کردے

حفیظ جالندھری

تعریف سن کے حضرت یوسف کے حسن کی
غصے میں بند کھول رہے ہیں نقاب کے

دلگیر اکبر آبادی

آخر کو بے نقاب وہ یہ کہہ کے ہوگیا
کس کس سے آج حشر میں پردہ کرے کوئی

رضا لکھنوی

چراغِ طور جلاؤ بڑا اندھیرا ہے
ذرا نقاب اٹھاؤ بڑا اندھیرا ہے

ساغر صدیقی

جی میں آتا ہے الٹ دیں ان کے چہرے سے نقاب
حوصلہ کرتے ہیں لیکن حوصلہ ہوتا نہیں

ساغر صدیقی

چاندنی کو ماند کرتے وہ نقابِ رخ کے بند
ڈھیلے کرتا ٹہلتا بالائے بام آ ہی گیا

سائل دہلوی

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

غالب

مجھ کو یہ آرزو وہ اٹھائیں نقاب خود
ان کو یہ انتظار تقاضا کرے کوئی

اسرار الحق مجاز

وضع

یہ اپنی وضع اور یہ دشنامِ مے فروش
سن کر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

ریاض

واں وہ غرورِ عزو ناز یاں حجابِ پاسِ وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں

غالب

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

غالب

وضو

مری نماز جنازہ پڑھی ہے غیروں نے
مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے

آسی

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

میر درد

مزا گناہ کا جب تھا کہ باوضو کرتے
بتوں کو سجدہ بھی کرتے تو قبلہ رو کرتے

نامعلوم

وعدہ

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لے کر

اقبال

دل میں کتنے عہد باندھے تھے بھلانے کے اسے
وہ ملا تو سب ارادے توڑنا اچھا لگا

امجد اسلام امجد

امید تو بندھ جاتی، تسکین تو ہوجاتی
وعدہ نہ وفا کرتے، وعدہ تو کیا ہوتا

چراغ حسن حسرت

جو تمہاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا
تمہیں منصفی سے کہہ دو تمہیں اعتبار ہوتا!

داغ

نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی

داغ

ترے وعدہ کو بت حیلہ جو نہ قرار ہے نہ قیام ہے
کبھی شام ہے کبھی صبح ہے، کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

داغ

وہ جب اوپری دل سے کرتے ہیں وعدہ
تو کھاتی ہے پلٹے زباں کیسے کیسے

داغ

غضب کیا جو ترے وعدے پہ اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا

داغ

اک وعدہ ہے کسی کا جو وفا ہوتا نہیں
ورنہ ان تاروں بھری راتوں میں کیا ہوتا نہیں

ساغر صدیقی

قیامت کے وعدے پہ خوش ہونے والے
ترے صبر کا امتحاں ہو رہا ہے

عدم

کل دیکھا جائے گا مگر آج اس نے خلق کو
ٹالا ہے خوب وعدۂ روزِ جزا کے ساتھ

عدم

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں
بھولے سے اس نے سینکڑوں وعدے وفا کیے

غالب

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

غالب

وعدہ آنے کا وفا کیجیے یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

غالب

جھوٹے وعدوں سے دیا دل کو سہارا تم نے
خیر اتنا تو کیا پاس ہمارا تم نے

فضل کریم فضلی

جھوٹ ہی سہی وعدہ کیوں یقیں نہ کر لیتے
بات دل فریب ان کی دل امیدوار اپنا

فضل کریم فضلی

غلط ہو آپ کا وعدہ کوئی، خدا نہ کرے
مگر حضور کو عادت ہے بھول جانے کی

قمر جلالوی

وعدہ اکثر میں بھول جاتا ہوں
میری عادت جناب کی سی ہے

حکیم ناصر

امید کے دل کش پنگھٹ پر ہم شمع جلائے بیٹھے ہیں
تم وعدہ کر کے بھول گئے ہم آس لگائے بیٹھے ہیں

نامعلوم

نہ کوئی وعدہ نہ کوئی یقیں نہ کوئی امید
خبر نہیں مجھے کیوں تیرا انتظار ہے آج

نامعلوم

وفا

ہمیں بھی آ پڑا دوستوں سے کام کچھ یعنی
ہمارے دوستوں کے بے وفا ہونے کا وقت آیا

ہری چند اختر

دوستوں سے وفا کی امیدیں
کس زمانے کے آدمی تم ہو

بشیر بدر

میری وفائیں یاد کرو گے
روؤ گے فریاد کرو گے

تاثیر

وفا تجھ سے اے بے وفا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

حسرت موہانی

جب اتنی بے وفائی پر دل اس کو پیار کرتا ہے
الٰہی وہ ستم گر باوفا ہوتا تو کیا ہوتا

آغا حشر

او وفا ناآشنا، کب تک سنوں تیرا گلہ
بے وفا کہتے ہیں تجھ کو اور شرماتا ہوں میں

آغا حشر

وفا جس سے کی بے وفا ہو گیا
جسے بت بنایا خدا ہو گیا

حفیظ جالندھری

مطلب پرست دوست نہ آئے فریب میں
بیٹھا رہا لیے ہوئے دامِ وفا کو میں

حفیظ جالندھری

مدت سے رسم مہر و وفا میں کمی تو تھی
آخر ترے زمانے میں متروک ہوگئی

داغ

ہم ہیں غلام ان کے جو ہیں وفا کے بندے
اس کو یقین جانو گر ہو خدا کے بندے

ذوق

ہم نے کی جس سے وفا اس نے جفا کی ہم پر
اب یہی رسمِ جہاں ہے ہمیں معلوم نہ تھا

راغب مرادآبادی

تم نہ افسوس کسی دور میں پورے اترے
نہ جفائیں تمہیں آئیں نہ وفائیں آئیں

ریاض خیرآبادی

ایک وعدہ ہے کسی کا جو وفا ہوتا نہیں
ورنہ ان تاروں بھری راتوں میں کیا ہوتا نہیں

ساغرصدیقی

ہم نے جن کے لیے راہوں میں بچھایا تھا لہو
ہم سے کہتے ہیں وہی عہد وفا یاد نہیں

ساغرصدیقی

شہر وفا میں کوئی شناسا نہیں رہا
اپنا جسے کہیں کوئی ایسا نہیں رہا

سوہن راہی

اہلِ وفا کو شوقِ شہادت ہے آج بھی
لیکن کسی کے ہاتھ میں خنجر نظر تو آئے

شہریار

جب کسی سے کوئی پیمانِ وفا کرتا ہے
کانپ اٹھتا ہوں کہ میرا ہی سا انجام نہ ہو

عندلیب شادانی

میری وفا فریب تھی، میری وفا پہ خاک ڈال
تجھ سا ہی کوئی باوفا تجھ کو ملے خدا کرے

عندلیب شادانی

ایک فریب ہے وفا، ایک فریب ہے خلوص
ہائے وہ نامراد جو دل کو غم آشنا کرے

عندلیب شادانی

تری محبت کا بھی یقیں ہے، تری وفا کو بھی مانتا ہوں
مگر مرا دل لرز رہا ہے میں اپنی قسمت کو جانتا ہوں

عندلیب شادانی

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

غالب

ہاں وہ نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

غالب

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
تم نے تو خیر بے وفائی کی

فراق گورکھپوری

صدمے جھیلوں، جان پہ کھیلوں، اس سے مجھے انکار نہیں ہے
لیکن تیرے پاس وفا کا کوئی بھی معیار نہیں ہے

قتیل شفائی

ہم بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

مومن

ہم با وفا تھے، اس لیے نظروں سے گر گئے
شاید انہیں تلاش کسی بے وفا کی تھی

سکندر علی وجد

سچ ہے کہ تیرے ساتھ کسی نے وفا نہ کی
پھر بھی نظیر سارا جہاں بے وفا نہیں

نظیر صدیقی

دیکھتے ہی دیکھتے بدلا زمانے کا یہ رنگ
پھولوں میں خوشبو حسینوں میں وفاداری نہیں

یگانہ

وقت

ہمیں بھی آپڑا دوستوں سے کام کچھ یعنی
ہمارے دوستوں کے بے وفا ہونے کا وقت آیا

ہری چند اختر

مُٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقتِ دفن
زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے

ثاقب لکھنوی

نہ ہمدم ہے کوئی نہ اب ہم نشیں ہے
برے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہے

جرأت

رات سونے کے لیے دن کام کرنے کے لیے
وقت ملتا ہی نہیں آرام کرنے کے لیے

جمال احسانی

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

میر حسن

اے دلِ مضطرب ٹھہر، وقت سوال بھی تو ہو
ہم کو بھی نام یاد ہے اپنے گدا نواز کا

شاد عظیم آبادی

وقت تو دو ہی کٹھن گزرے ہیں ساری عمر میں
اک ترے آنے سے پہلے اک ترے جانے کے بعد

آغا شاعر قزلباش

فصیل جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
حدودِ وقت سے آگے نکل گیا ہے کوئی

شکیب جلالی

اب وقت ہے کہ آپ کے قدموں کو چوم لوں
دنیا سمجھ رہی ہے میں خوددار ہوگیا

عدم

رات کے وقت مے پیئے ساتھ رقیب کو لیے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

غالب

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں

غالب

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

غالب

ویران، ویرانہ

کون ویرانے میں دیکھے گا بہار
پھول جنگل میں کھلے کن کے لیے

امیر مینائی

میں کچھ کچھ فرزانہ بھی ہوں کچھ کچھ ہوں دیوانہ بھی
مجھ پر دونوں تنگ ہوئے ہیں بستی بھی ویرانہ بھی

زیڈ اے بخاری

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

خالد شریف

کم نہیں ہیں جبکہ شہروں میں بھی کچھ ویرانیاں
کس توقع پر کوئی جائے گا اب صحراؤں میں

فارغ بخاری

ویراں ہے میکدہ، خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

فیض احمد فیض

چھوڑ کر جائے کہاں اب اپنے ویرانے کو ہم
کون سی جا ہے جہاں حکمِ خزاں جاری نہیں

یگانہ

ہاتھ

نگہ نکلی نہ دل کی چور زلفِ عنبریں نکلی
ادھر لا ہاتھ، مٹھی کھول، یہ چوری یہیں نکلی

داغ

مہیا گرچہ سب اسباب ملکی اور مالی تھے
سکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے

رضا علی معجز

اپنے خلاف فیصلہ خود ہی لکھا ہے آپ نے
ہاتھ بھی مل رہے ہیں آپ، آپ بہت عجیب ہیں

پیرزادہ قاسم صدیقی

قسمت کی خوبی دیکھیے، ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

قائم چاندپوری

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

مصطفیٰ زیدی

آگے کسی کے کیا کریں دستِ طمع دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

میر تقی میر

یہ بھی نیا ستم ہے، حنا تو لگائیں غیر
اور اس کی داد چاہیں وہ مجھ کو دکھا کے ہاتھ

نظام رامپوری

دینا وہ اس کا ساغرِ مے یاد ہے نظام
منہ پھیر کر اُدھر کو اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ

نظام رامپوری

ہمدم

نہ ہمدم ہے کوئی نہ اب ہم نشیں ہے
برے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہے

جرأت

اے ذوق کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

ذوق

میں کبھی غزل نہ کہتا، مجھے کیا خبر تھی ہمدم
کہ بیانِ غم سے ہوتا ہے شعورِ غم دوچنداں

عابد علی عابد

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

غالب

یاد

اب آپ آگئے ہیں تو آتا نہیں ہے یاد
ورنہ ہمیں کچھ آپ سے کہنا ضرور تھا
ہری چند اختر

یادِ ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا
اختر انصاری

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا
اختر انصاری

حسین یادوں کی شمعیں مجھے جلانے دو
مزار ہیں مرے سینے میں آرزوؤں کے
اختر انصاری

اس قدر تلخ تھی رودادِ حیات
یاد آتے ہی بھلادی ہم نے
باقی صدیقی

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے
بشیر بدر

ہماری زندگی میں پھول بن کر کوئی آیا تھا
اسی کی یاد میں اب تک یہ تحریریں مہکتی ہیں
بشیر بدر

چھوڑو بھی تاثیر کی باتیں
کب تک اس کو یاد کروگے
تاثیر

تیری یاد کی اف یہ سرمستیاں
کوئی جیسے پی کر شراب آگیا
جگر

کچھ نہ تھا یاد بجز کارِ محبت اک عمر
وہ جو بگڑا ہے تو اب کام کئی یاد آئے
جمیل الدین عالی

اس کو ناقدری عالم کا صلہ کہتے ہیں
مرگئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا
برج نارائن چکبست

نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں
حسرت موہانی

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے
حسرت موہانی

وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں
اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کردیا

حسن لطیفی

جب کوئی تازہ مصیبت ٹوٹتی ہے اے حفیظ
ایک عادت ہے خدا کو یاد کرلیتا ہوں میں

حفیظ جالندھری

ہم ہی میں تھی نہ کوئی بات یاد نہ تم کو آسکے
تم نے ہمیں بھلا دیا، ہم نہ تمہیں بھلا سکے

حفیظ جالندھری

مجھے یاد کرنے سے یہ مدعا تھا
نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے

داغ

زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

ساغر صدیقی

یاد رکھنا ہماری تربت کو
قرض ہے تم پہ چار پھولوں کا

ساغر صدیقی

ان سے بھی چھین لو گے یاد اپنی
جن کا ایمان ہوگئی ہوگی

سیف الدین سیف

اک یاد ہے کہ دامن دل چھوڑتی نہیں
اک بیل ہے کہ لپٹی ہوئی ہے شجر کے ساتھ

شکیب جلالی

وہ پچھلے پہر کا سناٹا، وہ مست ستاروں کے جھرمٹ
کس وقت عدم وہ یاد آئے، کس وقت صراحی چور ہوئی

عدم

گزاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں
انہیں کی یاد مری زندگی ہے

عندلیب شادانی

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہوگئیں

غالب

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

غالب

یاد آئیں گے زمانے کو مثالوں کے لئے
جیسے بوسیدہ کتابیں ہوں حوالوں کے لئے

فارغ بخاری

شام بھی تھی دھواں دھواں، حسن بھی تھا اداس اداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آکے رہ گئیں

فراق گورکھپوری

اب یاد رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی
یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں

فراق گورکھپوری

ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

فراق گورکھپوری

سوچے تھا اہلِ جرم سے کس کو کروں میں قتل
اتنے میں اس کو یاد مرا نام آگیا

غلام ہمدانی مصحفی

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی، کبھی ہم کو تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مومن

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

میر تقی میر

ہر شام ہوئی صبح کو اک خوابِ فراموش
دنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہے گی

یگانہ

اب تو ہر سمت کھلے ہیں تیری یادوں کے گلاب
دِل کے ویرانے میں یہ بات کہاں تھی پہلے

نامعلوم

تیرے دل میں میری بھی یاد ہے
میرے پیار کی یہی بھول ہے

نامعلوم

ہم نے جب بھی ترک تعلق کی قسم کھائی ہے
پھر دبے پاؤں تیری یاد چلی آئی ہے

نامعلوم

میری آنکھ کی ہے وہ روشنی
تری یاد کی جو بھی دھول ہے

نامعلوم